بیادگار

عمدۃ المتأخرین حضرت مولانا محمد مصطفے مفتاحیؒ

مفتاح الآوزان

ترتیب

مفتی عبدالرحمن القاسمی عظیم آبادی

زیر انتظام

المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ

ناشر

الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدر آباد، الہند

بیادگار

عمدۃ المتاخرین حضرت مولانا محمد مصطفےٰ مفتاحی

مفتاح الاوزان

ترتیب

مفتی عبد الرحمن القاسمی عظیم آبادی

زیر انتظام

المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیة

ناشر

الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدر آباد، الہند

(طبع دوم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰۱۶ء)

نام کتاب : مفتاح الاوزان

مرتب : مفتی عبد الرحمن قاسمی عظیم آبادی

فون نمبر : ۹۵۷۳۷۹۵۶۴۶ -۷۰۴۲۲۳۷۰ ۹۴۹۲۰۴۲۳۷۰

کمپوزنگ : مفتی ابو القاسم ربانی

تزئین وگرافکس: الامۃ گرافکس، حیدرآباد

تعداد : ایک ہزار

ہدیہ : ۱۰۰ روپے

ناشر : الامۃ ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدر آباد

ملنے کے پتے

☆ المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ ۹۵۷۳۷۹۵۶۴۶

☆ جامعہ عائشہ نسوان، مادنا پیٹ، حیدرآباد

☆ ہندوستان پیپر ایمپوریم، مچھلی کمان، حیدرآباد

☆ اشرف المدارس، مرغیہ ٹولہ، مشرقی چمپارن، بہار

☆ دکن ٹریڈرس، نزد چار مینار ☆ سنابل بکڈپو، نزد چار مینار، مغل پورہ فائر انجن

☆ مکتبہ انیس دیوبند، یوپی

☆ اتحاد بکڈپو دیوبند ۹۸۹۷۲۹۶۹۸۵

فہرست مضامین

تقریظات وتاثرات

(مفتی)عبدالودود مظاہری(صاحب)

صدر مفتی وشیخ الحدیث دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا ومصلیا!

عزیزم مفتی عبدالرحمن قاسمی سلمہ الولی میرے ان شاگردوں میں سے ہیں جن کو مدت دراز سے اور بہت قریب سے جانتا ہوں، مفتی صاحب فن فقہ وافتاء میں سبیل السلام کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مصطفی مفتاحی (مرحوم) کے اور فنون حدیث میں مولانا زین العابدین اعظمی (مرحوم) کے خصوصی تربیت یافتہ لوگوں میں سے ہیں۔ **مولوی صاحب اطلبوا العلم من المھد الی اللحد پر پوری طرح عمل پیرا** ہیں، موصوف نے متعارف شعبہ جات سے فراغت کے بعد دردر کی خاک چھانی ہے، اور جہاں کہیں کسی صاحب فن کو دیکھ پایا ہے فوراًاس کے سامنے طلب کا دامن پھیلا دیا ہے، اسلاف کی طرح نہ صرف اپنے اکابر، بلکہ اپنے ہم عصر واصاغر تک کے سامنے باضابطہ زانوے تلمذ تہہ کیا ہے، ہم لوگوں کو ان کے حسن طلب اور ذوق جستجو پر جتنا بھی فخر ہو کم ہے، اسی صحرانوردی کا صلہ ہے کہ اب تک جمیع کتب ستہ مع مؤطامالک، مؤطامحمد اور طحاوی کا درس دے چکے ہیں۔

دور طالبعلمی سے ہی مولوی صاحب مختلف موضوعات پر لکھتے رہے ہیں، بہت سی چیزیں تو موصوف نے دوسروں کے لیے لکھی ہیں، بڑی خوشی ہے کہ اب اپنے نام سے لکھ رہے ہیں۔ مولوی صاحب کے علم میں وسعت، فکر میں گہرائی گیرائی اور مسلک ومشرب میں تصلب ہے۔ ایک خوبی موصوف کی یہ ہے کہ ان کو نہ صرف سلف صالحین کے اقوال پر بھرپور اطمینان ہے، بلکہ دوسروں کو بھی مطمئن کردینے کا ہنر ہے، زمانہ کے رو میں بہہ جانے یا تحقیق کے نام پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے سخت وحشت ہے؛ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تحریریں اعتدال سے بھرپور، افراط تفریط سے دور، اسلاف کے طرز تحریر کا آئینہ دار ہیں۔ ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں، آپ نہ صرف مفتاح الاوزان، بلکہ عزیز گرامی قدر کی ہر تحریر پورے اطمینان اور بھرپور اعتماد سے پڑھیں۔

اگر مولوی صاحب میرے شاگرد نہ ہوتے تو میں اس سے بھی زیادہ لکھتا، اب زیادہ لکھنے میں اپنی مدح سرائی کا خدشہ ہے؛ اس لیے قلم روکتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ موصوف کے علم و عمل اور جان مال میں برکت دے اور حاسدین کے حسد اور فتنہ پردازوں کی فتنہ پردازی سے امن وامان میں رکھے۔

قابل مبارکباد سمجھتا ہوں الامۃ ٹرسٹ اور ''المرکز العلمی'' کو جس نے مفتی صاحب کی جمیع تالیفات کی طباعت اور نشرواشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، امت کو ان دونوں اداروں کا ہر طرح تعاون کرنا چاہیے۔

(شرح دستخط)

(۲۷ رمضان ۱۴۳۷ھ)

مولانا محمد عثمان اعظمی، دامت برکاتہم

شیخ الحدیث دارالعلوم، بانسکنڈی، آسام، پن کوڈ:۷۸۸۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا ومصلیا!

مولانا عبد الرحمن صاحب قاسمی مظاہری کی دو دو کتابیں ایک ”مفتاح الاوزان“، دوسری ’الرضی شرح الترمذی“ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، اس نو عمری میں مولوی صاحب نے جس سلیقہ اور ہوشمندی سے احادیث کی تشریح اور ان کے رواۃ پر کلام کیا ہے وہ اس دور میں کم دیکھنے کو ملتی ہے، اور جہاں کسی بزرگ کی فرو گذاشت کو لکھنا ہوا ہے، اس کو ”قال بعض الناس“ کہہ کر لکھا ہے، تاکہ علمی امانت کا حق ادا ہونے کے ساتھ تادب مع الاکابر کی رعایت بھی ہو جائے؛ یہ سب کچھ ان کے استاذ اور شیخ حضرت مولانا زین الدین اعظمیؒ کی صحبت کی برکت اور انہیں کی حسن تربیت کا اثر ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے ترجمہ شیخ الہندؒ کے حواشی سے متعلق لکھا ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے باطل نظریات کو کسی کا نام لیے بغیر کچھ اس طرح رد کیا ہے کہ معاندین اسلام کی جڑیں خود بخود ھباء منثورا ہو جاتی ہیں۔

پوری پوری کتاب تو پڑھنے کا موقعہ کہاں ہے، لیکن جو حصہ بھی نظر سے گذرا خوب سے خوب تر پایا۔ دعا ہے کہ خداوند قدوس عزیز گرامی قدر کی ان کاوشوں کو قبول فرما کر دونوں جہاں میں مؤلف کو سرخروئی سے ہم کنار کرے اور امت کو بیش از بیش استفادہ کا موقعہ فراہم کرے، اور عزیز موصوف کو حاسدین کے حسد سے اور مفسدین کی نظر بد سے بچائے۔ آمین یارب العلمین!

(شرح دستخط)

(مولانا) محمد عثمان اعظمی

بمقام ربانی خانقاہ، پورہ معروف

حضرت اقدس مولانا و قاری عبد الستار صاحب وڈالی (شمالی گجرات)

استاذ حدیث جامعہ امداد العلوم، وڈالی، ضلع سانبھر کانٹھا، شمالی گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

بعد! عرض اینکہ آج بتاریخ ۲۴؍ شعبان بروز بدھ مرغیہ ٹولہ، مشرقی چمپارن بستی میں جناب محترم ''مفتی عبد الرحمن'' صاحب زید مجدہ کی دعوت پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، اس بستی میں مدرسہ اشرف المدارس میں اس وقت ابتدائی دینی تعلیم نیز درجہ حفظ کی تعلیم کا نظم ہے، آئندہ تعلیم کو آگے بڑھانے کا عزم ہے، نیز ذمہ داران کا قصد ہے کہ اطراف وجوانب میں مکاتیب کا صحیح نظم کیا جائے۔

بستی کے علاوہ باہر کے طلبہ کا قیام وطعام کا نظم ہے، اہل بستی کے مالی احوال پختہ نہیں ہیں، جس سے مدرسہ کی ضروریات کا نظم مکمل نہیں ہوتا۔ مدرسہ امداد کا مستحق ہے، اہل خیر حضرات اگر توجہ فرمائیں گے تو امید ہے کہ مدرسہ کی تمام ضروریات مکمل ہو سکیں؛ اس لیے اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

اللہ تعالی اس مدرسہ کو ترقیات سے مالامال فرمائے اور مدرسہ کی جملہ ضروریات کا غیب سے نظم فرمائے۔ فقط والسلام (شرح دستخط)

(حضرت مولانا و قاری) عبد الستار (صاحب) اسلامپوری

مولانا محمد عمر صاحب اسلام پورہ

،استاد مدرسہ ضیاء العلوم پورہ معروف، از خدام ربانی خانقاہ، پورہ معروف، مئو، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامداومصلیاومسلما!

مولوی و مفتی عبد الرحمن قاسمی مظاہری عظیم آبادی سے بارہ سال قبل تعارف ہوا، جب سے تعلق بڑھتا ہی رہا، ۱۴۲۵ھ رمضان شریف میں حضرت مولانا محمد مصطفی مفتاحیؒ کی ایماء پر ربانی خانقاہ، پورہ معروف ،حضرت اقدس حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ کے خدمت میں حاضر ہوے، حضرت سے بیعت ہونے کے بعد پابندی سے خانقاہ حاضر ہوتے رہے ہیں اور اب تک ہو رہے ہیں، اور امسال ۸، رمضان المبارک کو حضرت اعظمی کے خلیفہ و جانشین حضرت اقدس مولانا و قاری عبد الستار وڈالی (شمالی گجرات) کی طرف سے مولوی صاحب مجاز بیعت بھی بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالی مقام قرب میں ترقی عطا فرمائے۔
مفتی صاحب دار لعلوم دیوبند سے ۱۹۹۸ء میں فارغ ہوے ہیں، تین سال مولانا مفتاحی صاحب (مرحوم) کی نگرانی میں فتوی کی تربیت لینے کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ مولوی صاحب کو علم سے کبھی سیری نہیں ہوئی۔ رمضان شریف میں مولانا اعظمیؒ ان کی روحانی تربیت تو فرماتے ہی تھے، ساتھ ہی ساتھ علمی تربیت بھی فرماتے تھے، مگر مولوی صاحب کی پیاس اور بڑھ گئی بالاخر ۲۰۰۸ء میں حضرت شیخ کے ایماء پر سلسلہ تدریس موقوف کرکے باضابطہ داخلہ لے کر مظاہر علوم میں ایک سال خود حضرت شیخ سے ”فنون حدیث“ کی خصوصی تربیت لی۔ ہم جیسے کیا جانیں کہ مولوی صاحب کو حضرت شیخؒ نے کیا کیا دیا ہوگا اور مولوی صاحب نے کیا کیا لیا ہوگا، مختصراً اتنا عرض ہے کہ حضرت اقدس کو مولوی صاحب کے علم پر نہ صرف اعتماد بلکہ ناز تھا۔

مولوی صاحب شروع سے ہی تحقیقی ذوق رکھتے تھے، اسی لیے رمضان میں بھی ضروری کاغذات ساتھ لے کر ہی خانقاہ آتے تھے، اور انہیں پوری اجازت ہوتی تھی کے اپنے معمولات کے ساتھ اپنی تحقیقات بھی جاری رکھیں، جب بھی آتے حضرت کو اپنی کوئی تصنیف سنا کر جاتے تھے اور حضرت اقدس شوق کے کانوں

سے سنتے اور مولوی صاحب کے علم کا اعتراف کرتے۔ اس طرح مولوی صاحب اب تک بہت کچھ لکھ چکے ہیں؛ جیسے: رسائل گنگوہیؒ کی تخریج اور تسہیل، مفتاح النحو، خواتین کے مسائل اوران کا حل، مفتاح الاوزان، الرضی شرح الترمذی وغیرہ۔ کچھ تو طبع بھی ہو چکی ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ باقی تالیفات کی طباعت واشاعت کا بھی غیب سے انتظام فرمائے۔

مولوی صاحب عام طور پر ان موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں، جو مشکل ہوتے ہیں، یا پھر ان کے مشائخ کا حکم ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب جو بنام "مفتاح الاوزان" آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ موضوع کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اور حضرت اقدس کی طرف سے مولوی صاحب کو حکم بھی تھا کہ ان چیزوں کو جمع کر دیں؛ کیونکہ اس موضوع پر جو کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں، عوام تو عوام علماء کرام کو بھی ان سے پوری تشفی نہیں ہو پاتی ہے۔ اللہ کے فضل سے اس موضوع پر ایک جامع اور واضح تحقیق علماء اور اصحاب افتاء کے سامنے آرہی ہے، جو واقعی اسم با مسمی ہے اور ہر مفتی بلکہ ہر عالم کی ضرورت ہے۔ امید کہ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور شوق سے پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالی مولوی صاحب کی عمر عزیز، جان، مال، نسل اور تمام علمی، عملی، دعوتی اور تربیتی خدمات میں ترقی اور برکت عطا فرمائے اور شرف قبولیت سے نوازے۔

اور موصوف جس ادارے میں پڑھاتے ہیں یا جن اداروں کی سرپرستی فرماتے ہیں انہیں قدر شناسی کی توفیق دے۔ ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد!

(مولانا) محمد عمر اسلامپورہ، ضلع مئو، مشرقی یوپی

۹ ؍ رمضان ۱۴۳۷ھ

سخن ہائے گفتنی

(مقدمہ طبع اول)

الحمد لله الذی امر بالقسط وانزل المیزان أن لا تطغوا فی المیزان ولا تخسروا المیزان والصلاة والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین، وعلی اله واصحابه اجمعین، ومن تبعهم إلی یوم الدین، وبعد!

وجہ تالیف

شریعت کے بہت سے احکام ناپ تول سے متعلق ہیں، جن کو حضور ﷺ نے عرب کے اوزان اور پیمانوں کے مطابق بیان فرمایا ہے، پھر فقہاء نے ہر زمانے میں رائج الوقت اوزان اور پیمانوں سے ان کی مقدار متعین فرمائی ہے، ضرورت تھی کہ اہل ہند کے لئے ہندوستانی اوزان کے مطابق ان کی مقدار بیان کی جائے، چنانچہ علمائے دہلی نے ان اوزان کو تولہ ماشہ میں تبدیل فرما کر اس ذمہ داری کو انجام دیا؛ کیونکہ اس وقت تولہ ماشہ کا ہی رواج تھا۔

لیکن واقعہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا عبد الحئ لکھنویؒ نے تولہ ماشہ کے ذریعہ جو سونے چاندی کا نصاب متعین کیا تھا، وہ علمائے دہلی کے حساب سے بہت متفاوت تھا؛ یہ تفاوت عوام تو عوام بہت سے علماء کیلئے بھی خلجان کا باعث بنا رہتا تھا، اللہ جزائے خیر دے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو، انہوں نے بہت عرق ریزی سے یہ خلاصہ کیا کہ دونوں حسابوں میں فرق کی اصل وجہ کیا ہے اور کونسی بات قرین قیاس ہے۔ آپ کی یہ کاوش جواہر الفقہ کا جز بن کر بنام "اوزان شرعیہ" علماء کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ جب یہ تحقیقی رسالہ سامنے آیا تھا تو اس وقت کے اکابر اہل علم: مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالی نے خوب خوب سراہا تھا اور خاص وعام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

مفتاح الاوزان کی جامعیت

لیکن جن لوگوں نے اس رسالہ (اوزان شرعیہ) کا مطالعہ کیا ہو گا، ان کو اس بات سے انکار نہ ہو گا کہ تمام اوزان شرعیہ کا احاطہ مفتی شفیع صاحبؒ کے پیش نظر نہیں تھا؛ اس لئے بہت سے اوزان اور پیمانے جو کتاب وسنت اور کتب فقہ میں آئے ہیں، اس رسالہ میں ان کی وضاحت موجود نہیں، ان کی کتاب میں صرف: قیراط، دانق، درہم، مثقال، رطل، مد، من، استار، اوقیہ، صاع اور وسق کا بیان ہے۔ البتہ آخر رسالہ میں مساحات کی مکمل تحقیق پیش کی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اب تولہ ماشہ کا رواج نہ ہونے سے مفتی محمد شفیعؒ کے رسالہ سے استفادہ اتنا آسان نہ رہا؛ اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کتاب وسنت اور کتب فقہ میں موجود تمام اوزان وپیمانوں کا احاطہ کیا جاتا۔ نیز ان تمام اوزان کو موجودہ نظام کے مطابق گرام، لیٹر اور میٹر میں لکھ دیا جاتا، جس کو میٹرک نظام کہتے ہیں۔

مولانا مہربان علی بڑوتویؒ، مولانا رشید احمد پاکستانیؒ صاحبِ احسن الفتاوی اور مولانا ابوالکلام مظاہری دامت برکاتہم نے اس سلسلہ میں کافی تگ ودو فرمائی ہے، اور اگرچہ ان کی بحث وتحقیق سے تمام اوزان کو جدید اوزان میں بدلنے کا اصل الاصول ہاتھ آجاتا ہے، مگر ان سب کوششوں باوجود بہت سے اہل علم کا تاثر یہ ہے کہ یہ موضوع اب بھی عام قاری کی گرفت سے باہر ہے؛ اس لئے اس کو مزید منقح کر کے کچھ اس طرح لکھنے کی ضرورت ہے کہ عام قاری بھی سمجھ جائے، نیز علماء وطلبہ بھی مطمئن ہو سکیں۔ زیر نظر رسالہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔

مفتاح الاوزان کی خصوصیات

اس رسالہ میں درج ذیل امور کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے:

۱ اقوال میں اصح ترین قول کو لیا گیا ہے، اکثر مقامات پر ائمہ ثلاثہ کے اقوال کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

۲ حسابات کو ممکن حد تک آسان انداز میں لکھا گیا ہے، خلاصہ حساب اشاروں کی زبان میں نہیں، بلکہ عام انداز میں لکھا گیا ہے تاکہ خاص وعام سب پڑھ سکیں۔

۳ اس موضوع کے احاطہ کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

۴ اوزان، پیمانوں اور مساحتوں کو علاحدہ علاحدہ فصل میں بیان کیا گیا ہے۔

۵ سب سے پہلے ان اوزان کو رائج الوقت اوزان میں لکھا گیا ہے تاکہ عام قاری بھی پہلی نظر میں اپنا مقصود پالے، پھر معتبر کتب فقہ سے اس کی تفصیل لکھ کر یہ بتلایا گیا ہے کہ کس طرح موجودہ نظام میں تبدیل کیا گیا ہے تاکہ اہل علم بھی مطمئن ہوسکیں۔

۶ فقہائے حنفیہ وغیر حنفیہ نے بہت سے مقامات پر اشارتاً اور اختصاراً تحدیدی وزن لکھنے کے بجائے تقریبی وزن تحریر فرمایا ہے، پھر دوسری جگہ اصل مقام پر تحدیدی وزن لکھا ہے؛ اس سے بظاہر ان کی عبارتوں میں ایک تو تعارض معلوم ہوتا ہے، دوسرے سرسری نظر میں پتہ نہیں چل پاتا کہ کون سا وزن تحدیدی ہے اور کونسا تقریبی۔ اس رسالہ میں ایک تو اس قول کو لیا گیا ہے جس میں تحدیدی وزن کا بیان ہے، دوسرے جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے، آسان انداز میں تعارض کو حل بھی کر دیا گیا ہے۔

۷ اوزان کا بیان مکمل ہو جانے کے بعد نصاب زکوۃ، مقدار صدقہ فطر، مہر فاطمی، مسافت سفر وغیرہ امور کو بیان کر دیا گیا ہے، جن کی ضرورت اکثر و بیشتر پیش آتی رہتی ہے۔

ایک گذارش

ایک بات جو قابل عرض ہے، وہ یہ کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا رشید احمد پاکستانیؒ، مولانا مہربان علی بڑوتویؒ اور مولانا ابوالکلام صاحب کے رسالوں میں کتابت کی بہت سی اغلاط ہیں، اور مسئلہ حساب کی باریکیوں سے متعلق ہے؛ اس لئے وہ اغلاط عام قاری کی گرفت سے باہر ہیں، نیز بعض جگہ تقریبی وزن ذکر کیا گیا ہے؛ جبکہ بندہ نے ہر جگہ تحدیدی وزن لکھا ہے اور اس رسالہ کی کتابت خود سے کی ہے تاکہ ممکن حد تک کتابت کی اغلاط سے بچا جاسکے؛ اس لئے اگر رسالہ ہذا کے اندراجات سابق کتابوں سے بظاہر کچھ مختلف نظر آئیں تو تردید میں جلدی نہ فرمائیں، غور و فکر سے کام لیں، حساب کا جائزہ لیں، پھر جو بات آپ کی نگاہ میں راجح ہو اس پر عمل درآمد فرمائیں۔

راقم حروف کی اکثر کتابوں کی طرح یہ رسالہ بھی عمدۃ المتاخرین، صفوۃ السالکین حضرت مولانا محمد مصطفی مفتاحی صاحب (نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ) کی طرف منسوب ہے اور مفتاح الاوزان سے معنون ہے، حضرت والا کو اس ناکارہ سے بہت حسن ظن تھا۔ اللہ تعالی سے امید ہے کہ اپنے نیک بندوں کے حسن ظن کی بدولت میری ان حقیر خدمات کو قبول فرمائے گا۔

یہ کتاب اگرچہ اس موضوع پر لکھے گئے بہت سی کتابوں سے زیادہ منقح اور جامع معلوم ہوگی، مگر یہ اعتراف کئے بغیر چارہ کار نہیں کہ اگر ہمارے اکابر کی محنت نہ ہوتی تو اس ناکارہ کے بس کی بات نہ تھی کہ یہ خدمت انجام دے پاتا، اس لئے اس کاوش اور رسالہ کو اپنے اکابر کی طرف ہی منسوب کرتا ہے، اللہ تعالی اس حقیر خدمت کو اس ناکارہ کی طرف سے اس کے تمام اساتذہ ومشائخ، اور تمام اہل علم نیز تمام معاونین کے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر قبول فرمائے، آمین یارب العالمین! إن ارید إلاّ الإصلاح مااستطعت، وماتوفیقي إلاّ بالله؛ علیه توکلت، وإلیه أنیب۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر اپنے مشفق اور تجربہ کار استاد حضرت مولانا تاج الدین قاسمی دامت برکاتہم کو بھول جاؤں کہ انہوں نے اپنے مدرسہ (اسلامیہ سمرا، مغربی چمپارن، بہار) میں عربی اول تا عربی سوم ہندی، انگریزی اور حساب کچھ اس ڈھنگ سے پڑھوادیا کہ اب کوئی حساب مشکل معلوم نہیں ہوتا، ان فنون کے دونوں اساتذہ ماسٹر نسیم صاحب بھوگاڑی اور ماسٹر محمد ظفیر الدین صاحب ادھکپریا کی شفقتیں بھی بھلانے کے لائق نہیں۔ اللہ تعالی ان سب حضرات کو اپنے دین کے لیے قبول فرمائے اور اپنے فضل کرم سے اس قدر مالامال فرمائے کہ دنیا میں کسی کے دست نگر نہ رہیں۔ آمین!

(ناکارہ خلائق)

عبد الرحمن القاسمی عظیم آبادی

خادم: المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ

بروز سہ شنبہ ۱۴ جمادی اولی ۱۴۳۷ھ، ۲۳ فروری ۲۰۱۶ء

مقدمہ طبع دوم

حامدا ومصليا ومسلما!

مفتاح الاوزان کی ترتیب کے وقت اصل بات جو پیش نظر تھی وہ یہ تھی کہ بار بار ان مسائل کی ضرورت پڑتی ہے اور ہر بار نئے سرے سے حساب کرنا پڑتا ہے؛ اس لیے کیوں نہ ان چیزوں کو جمع کر لیا جائے۔

پھر جوں جوں کام آگے بڑھتا گیا ویسے ویسے اس رسالہ کی طباعت کا داعیہ قوی ہوتا گیا تاکہ اس کا افادہ عام ہو سکے۔ رمضان المبارک سے پہلے ہی مسودہ صاف کیا جا چکا تھا، رمضان شریف میں نظر ثانی کا کام مکمل کر کے شوال میں کتاب طباعت کے لیے دے دی گئی۔

کتاب چھپنے کی دیر تھی، نسخے ہاتھوں ہاتھ نکلتے چلے گئے۔ بندہ نے بہت سے نسخے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور، دار لعلوم رحمانیہ اور دارالعلوم حیدرآباد وغیرہ کے مفتیان کرام اور اساتذہ عظام کو اپنے ہاتھوں سے پہنچائے۔ جس کو دیا ساتھ ہی یہ عرض بھی کرتا گیا کہ غلطیوں اور خامیوں پر ضرور مطلع فرمائیں۔

حضرت مفتی راشد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا جمال الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد وغیرہ نے بعض اغلاط کی طرف توجہ دلائی اور دوران مطالعہ ایک دو غلطیاں خود اس ناکارہ کی نگاہ سے بھی گذریں۔ ارادہ تھا کہ ان اغلاط کو سدھارنے کے ساتھ مزید کچھ اضافات اور ترمیمات کے ساتھ طبع دوم کے لیے پریس کو دوں گا، مگر ایک ایسے مخلص نے جب یہ کتاب دیکھی تو ان کو اس کی ترتیب اس قدر پسند آئی کہ انہوں نے فوری طبع دوم کا ارادہ ظاہر کیا، دل و دماغ میں جو ترمیمات اور اضافات تھے، بیماری کی وجہ سے اتنی جلدی ان کو عملی جامہ پہنانا دشوار تھا، اور طبع دوم تاخیر بھی دل کو گوارہ نہ تھا، محض اغلاط کو سدھار کر نہایت معمولی ترمیم کے ساتھ کتاب کو طباعت کے لیے پیش کر رہا ہوں۔

امید ہے نقش ثانی طبع اول سے بہتر ہو گا اور قارئین کی امیدوں پر زیادہ کھرا اترے گا۔

طبع اول کو دیکھ جن ناشرین نے اس کتاب کو اپنے اپنے مکتبات سے چھاپنے کا اراداہ کیا تھا اور اس ناکارہ نے اس بنیاد پر ان کو منع کر دیا کہ مکمل اضافات اور ترمیمات کے بعد اجازت دوں گا،

ان کو اب اجازت ہے کہ بلا حذف واضافہ ہو بہو طبع دوم کے مطابق اس کتاب کو چھاپ سکتے ہیں۔

بلکہ اس ناکارہ کی ہر تصنیف وقف عام ہے، جو چاہے طبع کرائے، البتہ طبع سے پہلے ناشرین اگر اس ناکارہ سے مشورہ کرلیں، تو زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ شاید کچھ حذف واضافہ ہوا ہو۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ طبع اول کی طرح طبع دوم کو بھی محض اپنے فضل سے قبول فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

عبدالرحمن عظیم آبادی

۱۵ ، محرم الحرام ۱۴۳۸ھ

الحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی شمس الھدایۃ والیقین سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم الی یوم الدین

ترتیب کتاب

یہ رسالہ ایک مقدمہ، تین ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں نقشہ کی شکل میں ان اوزان کا اصل الاصول لکھ دیا گیا ہے، جن سے کسی کو اختلاف نہیں۔

باب اول میں اوزان، باب دوم میں پیمانوں اور باب سوم میں مساحتوں کی پوری تفصیل ہے۔

باب چہارم میں ان فقہی مسائل کا بیان ہے جو اوزان سے متعلق ہیں؛ جیسے: صدقہ فطر کی مقدار، نصاب زکوۃ وغیرہ۔ خاتمہ میں چند صفحات میں اس رسالہ کا مکمل خلاصہ درج ہے۔

مقدمہ

اوزان، پیمانوں اور مساحتوں کے متفقہ اصول

ذیل میں ہم کچھ نقشے دے رہے ہیں، جن کی مدد سے پوری کتاب کا حساب سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور دوسرے بہت سے حسابوں کی تحقیق میں آسانی ہو جاتی ہے، ان نقشہ جات کے متعلق اتنا معلوم رہے کہ یہ متفق علیہ ہیں اور آئندہ ابواب میں ہر ایک کا تفصیلی بیان موجود ہے۔

نقشہ (۱)

قدیم ہندوستانی اوزان

ایک رتی: ۱۲۱ء۵۰ ملی گرام (ایک سو ساڑھے اکیس ملی گرام)۔

ایک ماشہ: (۸ رتی): ۹۷۲ ملی گرام (نو سو بہتر ملی گرام)۔

ایک تولہ: (۱۲ ماشہ): ۱۱ گرام، ۶۶۴ ملی گرام۔

ایک چھٹانگ: (۵ تولہ): ۵۸ گرام، ۳۲۰ ملی گرام۔

ایک سیر: (۸۰ تولہ): ۹۳۳ گرام، ۱۲۰ ملی گرام۔

ایک من ہندی: (۴۰ سیر): ۳۷ کلو، ۳۲۴ گرام، ۸۰۰ ملی گرام۔

مولانا رشید احمد لدھیانویؒ مولانا مہربان علی بڑوتویؒ اور مولانا ابو الکلام مظاہریؒ اس تفصیل پر متفق ہیں۔ دیکھیے: احسن الفتاوی، رسالہ بسط الباع (۴/ ۳۸۲) امداد الاوزان، اوراوزان محمودہ۔ واضح رہے کہ فی زمانہ تولہ، چھٹانگ وغیرہ کے وزن میں کمی کر دی گئی ہے۔ کتاب ہذا میں قدیم ہندی اوزان کا حساب لیا گیا ہے، جو مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے۔

نقشہ (۲)

عربی اوزان اور پیمانے

درہم: چودہ قیراط۔ دینار: (مثقال): بیس قیراط۔ درہم: ستر جو۔ دینار: (مثقال): سو جو۔ قیراط: پانچ جو۔
صاع بغدادی: آٹھ رطل۔ رطل عراقی: بیس استار۔ صاع: ایک سو ساٹھ استار۔ صاع بغدادی: چار مد۔
مد: دو رطل عراقی۔ استار: ساڑھے چار مثقال۔ مد: چالیس استار۔ فقہ حنفی کی کتابیں اس نقشہ پر متفق ہیں۔

نقشہ (۳)

مساحت؛ یعنی طول کی پیمائش

بريد: بارہ میل شرعی۔ فرسخ: تین میل شرعی۔ میل شرعی: چار ہزار ذراع کرباس۔ ذراع کرباس: چھ قبضہ۔ ایک قبضہ: چار انگشت چوڑا۔ انگشت کی چوڑائی: چھ جو ملی ہوئی۔ جو کی چوڑائی: چھ خچر کے بال ملے ہوئے۔ ذراع مساحت: سات قبضہ۔ قبضہ مساحت: چار انگشت چوڑا مع انگوٹھا کھڑا۔
یہ تو مساحت کی وہ اصطلاحات ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ان کو رائج الوقت پیمائشوں میں بدلنے کا جو عمل مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا ہے، وہ لکھا جاتا ہے (انگریزی گز اور فٹ کے حساب سے):

نقشہ (۴)

میل شرعی: دو ہزار گز انگریزی۔ ذراع کرباس: اٹھارہ انچ۔ ذراع کرباس: ڈیڑھ فٹ۔ ذراع کرباس: نصف گز۔ ذراع مساحت: بیالیس انچ۔ ذراع مساحت: ساڑھے تین فٹ۔ ذراع مساحت: ۱ ء گز چھ انچ۔
بالشت: نو انچ۔

نقشہ (۴)

طول کی پیمائش میٹر سے

ایک انچ: ۲۵ ملی میٹر، ۴۰۰ میکرو میٹر۔ ایک فٹ: ۱۲ انچ۔

ایک فٹ: ۳۰۴ ملی میٹر، ۸۰۰ میکرو میٹر (۳۰ سنٹی میٹر، ۴ ملی میٹر، ۸۰۰ میکرو میٹر)

ذراع کرباس (نصف گز انگریزی): ۴۵۷ ملی میٹر، ۲۰۰ میکرو میٹر۔

ایک گز انگریزی: ۹۱۴ ملی میٹر، ۴۰۰ میکرو میٹر۔

ایک گز انگریزی: تین فٹ۔ ایک گز انگریزی: ۳۶ انچ۔

میل انگریزی: ۱۷۶۰ گز انگریزی۔ میل انگریزی: آٹھ فرلانگ۔

میل انگری: ۱ کلو میٹر، ۶۰۹ میٹر، ۳۴۴ ملی میٹر۔

فرلانگ: ۲۲۰ گز انگریزی۔

علم الحساب میں یہ تفصیلات مسلم ہیں

نقشہ (۶)

میٹرک نظام: لیٹر، میٹر اور گرام

گرام

۱۰۰۰ میکرو گرام: ۱ ملی گرام — ۱۰ ملی گرام: ۱ سنٹی گرام

۱۰ سنٹی گرام: ۱ ڈیسی گرام — ۱۰ ڈیسی گرام: ۱ گرام

۱۰۰۰ ملی گرام: ۱ گرام — ۱۰ گرام: ۱ ڈیکا گرام

۱۰ ڈیکا گرام: ۱ ہیکٹو گرام — ۱۰ ہیکٹو گرام: ۱ کلو گرام

۱۰۰۰ گرام: ۱ کلو گرام — ۱۰۰ کلو گرام: ۱ کوئنٹل

لیٹر

۱۰۰۰ مائیکرو لیٹر: املی لیٹر ۱۰ ملی لیٹر: اسنٹی لیٹر

۱۰ سنٹی لیٹر: اڈیسی لیٹر ۱۰ ڈیسی لیٹر: الیٹر

۱۰۰۰ ملی لیٹر: الیٹر ۱۰ لیٹر: اڈیکا لیٹر

۱۰ ڈیکا لیٹر: اہیکٹو لیٹر ۱۰ ہیکٹو لیٹر: اکلو لیٹر

میٹر

۱۰۰۰ مائیکرو میٹر: املی میٹر ۱۰ ملی میٹر: اسنٹی میٹر

۱۰ سنٹی میٹر: اڈیکا میٹر ۱۰ ڈیکا میٹر: امیٹر

۱۰۰۰ ملی میٹر: امیٹر ۱۰۰۰ میٹر: اکلو میٹر

اس نقشہ سے معلوم ہوا کہ مائیکرو میٹر سے ملی میٹر ہزار گنا بڑا ہوتا ہے، اور ملی میٹر سے میٹر ہزار گنا بڑا ہوتا ہے، اسی طرح میٹر سے کلو میٹر ہزار گنا بڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح مائیکرو میٹر کا ہزارواں حصہ نانو میٹر (NANO METER) کہلاتا ہے۔ اس نقشہ کی تفصیلات علم الحساب میں مسلم ہیں۔

باب اول

اوزان کا بیان

اوزان سے تول کے باٹ مراد ہیں؛ درہم، دینار، رطل، دانق، استار؛ یہ سب تول کے اوزان ہیں۔ مکائیل (پیمانوں) سے غلہ جات کو ناپنے کے برتن مراد ہیں؛ وسق، صاع، مد، من، کر؛ یہ سب مکائیل کے قبیل سے

ہیں۔ مساحت سے زمین کی پیمائش کا حساب مراد ہوتا ہے؛ میل، برید، فرسخ، غلوۃ؛ یہ سب مساحت کی قبیل سے ہیں۔ ہم پہلے اوزان کو بیان کرتے ہیں۔

دِرہم شرعی

اوزان شرعیہ میں درہم ودینار سب سے اہم ہیں، باقی تمام اوزان اور پیمانوں کے لئے یہی معیار ہیں۔ اگر ان کا وزن دھیان سے سمجھ لیا جائے، تو ضرب اور تقسیم کے ذریعہ تمام اوزان کا حل آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے پہلے انہی دونوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

درہم: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکروگرام (۳ گرام، ۶۱ ملی گرام، ۸۰۰ میکروگرام) درہم: تین ماشہ، ایک رتی اور رتی کا پانچواں حصہ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک درہم: چودہ قیراط کا اور قیراط: پانچ جو کا ہوتا ہے؛ اس طرح درہم: ستر جو کا ہوتا ہے؛ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

والدرهم أربعة عشر قيراطا، والقيراط خمس شعيرات، فيكون الدرهم الشرعي سبعين شعيرة (در مع شامی: ۲: ۲۹۶)

”درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے، اور قیراط پانچ جو کا؛ اس لئے درہم شرعی ستر جو کا ہوگا“۔

علامہ شامی نے اسی کو قول مشہور قرار دیا ہے: **والمشهور عندنا ماذكره الشارح (ایضاً)**

علمائے دہلی نے ستر جو کو وزن کیا تو حساب ۳ماشہ، ۱ر رتی، ۱ر۵ رتی آیا؛ یعنی: ۲۵ر رتی اور رتی کا پانچواں حصہ۔ اور رتی: ایک سو ساڑھے اکیس ملی گرام کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ نقشہ نمبر (۱) میں بتایا گیا ہے۔ اس کو مذکورہ تولہ ماشہ سے ضرب دیا تو درہم: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکروگرام کا ہوا۔ یہ تحقیقی وزن ہوا، اس کو تقریباً تین گرام، باسٹھ ملی گرام بھی کہہ سکتے ہیں، مگر بڑے حساب میں تحقیقی وزن کو ہی لیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا درہم

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درہم ستر جو کا نہیں، بلکہ پچاس جو اور دو خمس جو کا ہوتا ہے؛ اس لئے گرام سے: دو گرام، دو سو چار ملی گرام، چار سو چھیانوے میکروگرام ہوگا:

لا زكاة فی الفضة فی أقل من وزن مائتی درهم شرعیة، ووزنه خمسون وخمسا حبة من متوسط الشعیر **(بلغة السالك، باب احکام زکوۃ العین)**

''دو سو درہم سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں، اور درہم کا وزن متوسط جو سے پچاس جو اور دو خمس جو ہے''۔

درہم کا یہی وزن فقہ مالکی، شافعی اور حنبلی کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔

دینار شرعی (مثقال)

دینار: چار گرام، تین سو چوہتر ملی گرام (۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام)۔ دینار: چھتیس رتی؛ یعنی: ساڑھے چار ماشہ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ایک دینار: بیس قیراط کا اور قیراط: پانچ جو کا ہوتا ہے؛ اس طرح دینار سو جو کا ہوتا ہے:

والدینار عشرون قیراطا، والدرهم اربعة عشر قیراطا، والقیراط خمس شعیرات، فیکون الدرهم الشرعی سبعین شعیرة، والمثقال مأة شعیرة

(درمختار مع شامی: ۲: ۲۹۶)

''دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے اور درہم چودہ قیراط کا، اور قیراط پانچ جو کا؛ اس لئے درہم شرعی ستر جو کا اور مثقال (دینار) سو جو کا ہوگا''۔

اور علامہ شامی نے اس قول کی شرح میں فرمایا کہ یہ جو معتدل ہونے چاہئیں، جن کا چھلکا اتارا نہ گیا ہو، اور اس کے دونوں طرف جو لمبا تنکا دم کی طرح ہوتا ہے، وہ کاٹ دیا گیا ہو۔ یہی مضمون بحر، شرح وقایہ، مجمع الانہر اور جامع الرموز میں بھی ہے۔ (جواہر الفقہ: ۳، ۳۹۳)

علمائے دہلی نے سو جو کو وزن کیا، تو چھتیس رتی ہوا؛ یعنی: ساڑھے چار ماشہ۔ اور رتی: ایک سو ساڑھے اکیس ملی گرام کا ہوتا ہے؛ لہٰذا چھتیس رتی: چار گرام تین سو چوہتر ملی گرام کے برابر ہوا۔ امداد الاوزان میں کاتب نے چوہتر کے بجائے بہتر لکھ دیا ہے۔

واضح رہے کہ مثقال کا وزن وہی ہے جو دینار شرعی کا ہے، مثقال تو اس وزن کا نام ہے، خواہ سونے کی شکل میں ہو یا نہ ہو اور دینار جب ہوگا کہ اتنا وزن سونے کے سکے کی شکل میں ہو۔

صاحب احسن الفتاوی کا درہم و دینار

درہم ودینار کا یہ وزن علمائے دہلی کی تحقیق کے مطابق ہے۔ مولانا رشید احمدؒ، صاحب احسن الفتاوی نے اپنے تمام حسابوں کی بنیاد مولانا مخدوم سندیؒ کی تحقیق پر رکھی ہے اور مولانا مخدوم کا درہم ودینار بڑا ہے؛ اس لیے احسن الفتاوی میں ہر جگہ درہم ودینار کا وزن زیادہ دکھائی دے گا؛ مفتیان کرام کی نگاہ سے یہ نکتہ اوجھل نہ ہونا چاہیے۔

ائمہ ثلاثہ کا دینار

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دینار سو جو کا نہیں، بلکہ بہتر جو کا ہوتا ہے:

والمثقال لم يختلف في جاهلية ولا إسلام وهو اثنان وسبعون حبة وهي شعيرة معتدلة لم تقشر وقطع من طرفيها ما دق وطال

(أسنى المطالب، باب زكوة الذهب والفضة)

اور ایک جو ۴۳ ملی گرام، ۷۴۰ میکرو گرام کا ہوتا ہے؛ لہٰذا ائمہ ثلاثہ کا دینار تین گرام، ایک سو انچاس ملی گرام، دو سو اسی میکرو گرام کا ہو گا۔

درہم دینار سے بڑے اوزان

الاِسْتار

استار: (ساڑھے چار مثقال) انیس گرام، چھ سو تراسی ملی گرام (۱۹ گرام، ۶۸۳ ملی گرام)۔ استار: ایک تولہ، آٹھ ماشہ، دو رتی (۱ تولہ، ۸ ماشہ، ۲ رتی)

دراصل استار کے بارے میں دو قول مذکور ہیں:

(الف) استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے۔ (ب) استار ساڑھے چھ درہم کا ہوتا ہے؛ چنانچہ بحر (باب صدقۃ الفطر) میں ہے:

والإستار بكسر الهمزة أربعة مثاقيل ونصف كذا في شرح الوقاية

استار ہمزہ پر زیر کے ساتھ ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے۔

یہی بات ھندیہ میں بھی ہے، نیز شامی نے درر البحار کے حوالے سے لکھا ہے:

والإستار بكسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف وبالمثاقيل أربعة ونصف كذا في شرح درر البحار (باب صدقة الفطر)

”استار ساڑھے چھ درہم کا ہوتا ہے، اور مثقال سے ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے“۔

فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں ساڑھے چار مثقال کے بجائے ساڑھے چھ درہم کا قول ہی لکھا ہے؛ اس لئے بعض لوگ اسی کو قول اصح خیال کرتے ہیں، مگر غور کیجئے تو پہلا وزن (ساڑھے چار مثقال) تحدیدی ہے، دوسرا وزن تقریبی ہے؛ دلیل اس کی یہ ہے کہ شامیؒ نے (باب صدقۃ الفطر میں) خود ہی لکھا ہے کہ

والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالإستار أربعون

”من دو سو ساٹھ درہم اور استار سے چالیس استار کا ہوتا ہے“

اب چالیس کو ساڑھے چھ سے ضرب دیتے ہیں تو من ۲۶۰ درہم کا ہوتا ہے اور رطل اس کا نصف ۱۳۰ درہم کا ہوتا ہے اور رطل کے بیان میں معلوم ہو گا کہ ۲۶۰ درہم: من کا تقریبی وزن ہے اور ۱۳۰ درہم رطل کا تقریبی وزن ہے۔ اس کے برخلاف چالیس کو ساڑھے چار سے ضرب دیں گے تو من ۱۸۰ دینار کا اور رطل اس کا نصف یعنی: ۹۰ دینار کا ہوتا ہے،

اور رطل کے بیان میں معلوم ہو گا کہ ۹۰ مثقال رطل کا تحدیدی وزن ہے۔

الحاصل جب معلوم ہو چکا کہ استار کا تحقیقی وزن ساڑھے چار مثقال (دینار) ہے، تو اب ایک مثقال کے تولہ اور گرام کو ساڑھے چار سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ وہی ہو گا جو اوپر لکھا گیا ہے۔ مولانا مہربان علیؒ نے جو ۶۸۷ ملی گرام لکھا ہے، اس کو تقریبی کہہ سکتے ہیں۔

النَّوَاة

نواۃ (۵ درہم): پندرہ گرام، تین سو نو ملی گرام (۱۵ گرام، ۳۰۹ ملی گرام)۔

نواۃ لغت میں کھجور کی گٹھلی کو کہتے ہیں، اہل عرب پانچ درہم کے وزن پر اس کا اطلاق کرتے ہیں؛ ابن منظور افریقیؒ لسان العرب میں لکھتے ہیں:

النش عشرون درهما، وهو نصف أوقية؛ لأنهم يسمون الأربعين درهما أوقية، ويسمون العشرين نشاً، ويسمون الخمسة نواة (مادة: نوى)

”نش بیس درہم کا ہوتا ہے، اور وہ نصف اوقیہ بھی ہے؛ کیونکہ اہل عرب چالیس درہم کو اوقیہ، بیس درہم کو نش اور پانچ درہم کو نواۃ کہتے ہیں“۔

محدث بیہقیؒ اپنی سند سے لغت حدیث کے امام ابو عبید بن سلاّمؒ سے نقل کرتے ہیں:

قال أبو عبيد قوله: نواة؛ يعني خمسة دراهم. قال وخمسة دراهم تسمى نواة ذهب كما تسمى الأربعون أوقية و كما تسمى العشرون نشا. قال أبو عبيد حدثنيه يحيى بن سعيد عن سفيان عن منصور عن مجاهد قال الأوقية: أربعون والنش عشرون والنواة خمسة (سنن كبرى: ۷؍۲۳۷ باب ما يجوز أن يكون مهرا)

”ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ (حدیث میں) نواۃ سے پانچ درہم مراد ہیں، اور پانچ درہم کو نواۃ کہتے بھی ہیں، جس طرح چالیس درہم کو اوقیہ اور بیس درہم کو نش کہتے ہیں۔ ابو عبید فرماتے ہیں کہ مجھ سے یحیی بن سعید (قطان) نے ان سے سفیان (ثوری) نے ان سے منصور نے ان سے حضرت مجاہد رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اوقیہ چالیس درہم، نش بیس درہم اور نواۃ پانچ درہم کا ہوتا ہے“۔

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف نے ایک انصاری عورت سے ایک نواۃ سونے پر نکاح کیا تھا۔

(دیکھیے: بخاری، نکاح، باب الصفرة للمتزوج، مسلم: باب الصداق)

ابو عبیدؒ اسی حدیث کی شرح فرما رہے ہیں۔ بہر حال درہم کے وزن کو پانچ سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ وہی ہوگا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

النَّشّ

نش (۲۰ درہم): اکسٹھ گرام، دو سو چھتیس ملی گرام (٦١ گرام، ٢٣٦ ملی گرام)۔

ابھی نواۃ کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ نش بیس درہم کا ہوتا ہے؛ نیز حدیث شریف میں آیا ہے:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ

أُوقِيَّةً وَنَشًّا قَالَتْ أَتَدْرِي مَا النَّشُّ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَهَذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَزْوَاجِهِ

(صحیح مسلم، باب الصداق)

"حضرت ابو سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کا مہر کتنا تھا؟ فرمایا: آپ ﷺ نے بارہ اوقیہ اور نش مہر دیا تھا، پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم کو معلوم ہے نش کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: آدھا اوقیہ (یعنی بیس درہم) اس طرح کل مہر پانچ سو درہم ہوا؛ یہی ازواج مطہرات کا مہر تھا"۔

درہم کے وزن کو بیس سے ضرب دیں، تو مجموعہ وہی ہوتا ہے، جو اوپر مذکور ہوا۔

الأُوقِيَّة

اُوقیہ (۴۰ درہم): ایک سو بائیس گرام، چار سو بہتر ملی گرام (۱۲۲ گرام، ۴۷۲ ملی گرام)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے مہر کے بیان میں جو اوقیہ حدیث میں آیا ہے، یا پانچ اوقیہ میں زکوۃ فرض ہونے کی بات جو حدیث میں آئی ہے، وہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے؛ چنانچہ ان نجیم رحمہ اللہ بحر شرح کنز میں لکھتے ہیں:

لحديث مسلم: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة، والأوقية أربعون درهما كما رواه الدارقطني (بحر، باب زكوة المال)

"مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں، اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ دار قطنی نے روایت کیا ہے"۔

اسی طرح کی ایک روایت میں ہے:

عن رجل من بني أسد قال: أتيت رسول الله ﷺ فسمعته يقول لرجل يسأل: من سأل منكم وعنده أوقية أو عدلها، فقد سأل إلحافا، والأوقية يومئذ أربعون درهما

(طحاوی، باب المقدار الذی یحرم الصدقة)

"بنو اسد قبیلہ کے ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو سنا کہ آپ ایک سائل سے کہہ رہے ہیں: جو شخص سوال کرے، حالاں کہ اس کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے برابر مال ہو، تو اس نے چمٹ کر سوال کیا (یعنی چمٹ کر سوال کرنے کی وعید میں داخل ہے) راوی کہتے ہیں کہ اس وقت اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا"۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ زمان رسالت مآب ﷺ میں اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا، تو اوقیہ کا وزن حاصل کرنے کے لیے درہم کے وزن کو چالیس سے ضرب دیں گے؛ پس مجموعہ وہی حساب ہوگا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

الرِطل

رطل: (۹۰ مثقال) تین سو ترانوے گرام، چھ سو ساٹھ ملی گرام۔ (۳۹۳ گرام، ۶۶۰ ملی گرام)

رطل: تینتیس تولہ، نو ماشہ (۳۳ تولہ، ۹ ماشہ)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مد اور صاع کے وزن میں ائمہ اربعہ کے یہاں بالاتفاق رطل سے رطل بغدادی مراد ہوتا ہے۔ ہاں! رطل بغدادی کتنے درہم کا ہوتا ہے، اس کے بارے میں نہ صرف حنفیہ بلکہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں تین اقوال ملتے ہیں:

رطل: ایک سو اٹھائیس درہم کا ہوتا ہے۔ (۱۲۸)

رطل: ایک سو تیس درہم کا ہوتا ہے۔ (۱۳۰)

رطل: ایک سو اٹھائیس درہم، اور چار بٹہ سات درہم کا ہوتا ہے۔ (۴، ۱۲۸/۷)

علامہ ناصر الدین مطرزیؒ نے ابو عبیدؒ کے حوالے سے صرف پہلا قول لکھ کر سکوت فرمایا ہے، علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر (۲/۲۹۶) میں صرف دوسرا قول لکھا ہے: والرطل زنة مائة وثلاثين درهما (رطل ایک تیس درہم کا ہوتا ہے) اور اسی کو اکثر حنفیہ نے نقل کیا ہے، لیکن علامہ شلبیؒ نے حاشیہ تبیین الحقائق میں تینوں اقوال لکھ کر محقق حنفیہ ابو حنیفہ ثانی امیر کاتب اتقانیؒ کے حوالے سے قول راجح کی تعیین بھی کی ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

قال في الغاية: والرطل البغدادي مائة وثمانية وعشرون درهما وأربعة أسباع درهم، وقيل: مائة وثمانية وعشرون، وقيل: مائة وثلاثون درهما، قال النووي: الأول أصح
(حاشية شلبي على الزيلعي: ۲/۱۳۹ باب صدقة الفطر، ط: زکریا)

”غایۃ البیان میں (اتقانی نے) کہا ہے کہ رطل بغدادی ایک سو اٹھائیس درہم اور چار بٹہ سات درہم (درہم کے سات حصوں میں سے چار حصوں کا) نام ہے، بعض صرف ۱۲۸ درہم، اور بعض ۱۳۰ درہم کہتے ہیں؛ نووی کہتے ہیں کہ پہلا قول اصح ہے“۔

اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی یہ تینوں اقوال ملتے ہیں۔ مگر سب کے یہاں اصح وہی ہے، جس کو امام نووی شافعیؒ نے اصح کہا ہے، اور حنفی فقیہ امیر کاتب اتقانیؒ نے غایۃ البیان میں جس کی تائید کی ہے۔

یہ تو اس کا بیان تھا کہ رطل کتنے درہم کا ہوتا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ رطل کتنے مثقال کا ہوتا ہے؛ یہاں اکثر حضرات نوے مثقال لکھتے ہیں، جن میں علامہ شامیؒ بھی ہیں، تقریرات رافعی میں اکیانوے مثقال لکھا ہے۔

موفق الدین ابن قدامہ حنبلیؒ نے شرح کبیر میں جو تفصیل لکھی ہے اس سے اختلاف کی پوری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے؛ فرماتے ہیں:

والرطل العراقي مائة وثمانية وعشرون درهما وأربعة أسباع درهم، ووزنه بالمثاقيل تسعون، ثم زيد في الرطل مثقال واحد، وهو درهم وثلاثة أسباع، فصار أحدا وتسعين مثقالا، وكمل وزنه بالدراهم مائة وثلاثون درهما، والاعتبار به قبل الزيادة
(الشرح الكبير: ۲/۵۵۶)

”رطل عراقی ۱۲۸ درہم اور چار سبع (چار بٹہ سات) درہم کا ہوتا ہے اور مثقال سے اس کا وزن نوے مثقال ہوتا ہے، پھر رطل میں (حساب میں آسانی کے لیے) ایک مثقال کا اضافہ کیا گیا اور ایک مثقال ایک درہم اور تین سبع (تین بٹہ سات) درہم کا ہوتا ہے؛ اس طرح رطل اکیانوے مثقال کا بن گیا اور درہم سے اس کا وزن ایک سو تیس مکمل ہو گیا؛ لیکن (شرعی حسابات) میں اس رطل کا اعتبار ہے جو اضافہ سے پہلے تھا“۔

گویا جس نے رطل کو ۱۲۸ درہم کہا اس نے کسر حذف کر دیا، جس نے تیس کہا اس نے وہ وزن بتایا جو حساب میں آسانی کے لئے زیادہ کیا گیا تھا، لہٰذا یہ دونوں وزن تقریبی ہیں، تحقیقی وزن وہی ہے،

جس کو نوویؒ وغیرہ نے اصح کہا ہے؛یعنی:۱۲۸درہم اور چار بٹہ سات درہم۔

اسی طرح جس نے رطل کو نوے مثقال کہا، اس نے اصل وزن کو لیا، اور جس نے اکیانوے کہا، اس نے اضافہ شدہ وزن لیا جو تقریبی ہے۔

تقریرات رافعیؒ میں علامہ شامیؒ پر نقد کرتے ہوئے رطل کو اکیانوے مثقال لکھا ہے، اس سے صاحب احسن الفتاوی کو وہم ہوا اور انہوں نے اپنے رسالہ "بسط الباع لتحقیق الصاع" میں اسی کو تحقیقی وزن خیال کر لیا؛ حالاں حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اب درہم کے وزن کو ۱۲۸، ۴/۷ سے ضرب دیں یا دینار کے وزن کو ۹۰ سے مجموعہ وہی ہو گا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

مفتی شفیع صاحبؒ نے ۱۳۰درہم کے اعتبار سے تولہ نکالا ہے؛اس لئے ۳۴تولہ ڈیڑھ ماشہ ہو گیا ہے، اور مولانامہربان علیؒ نے اسی کو گرام میں تبدیل کیا ہے؛اس لیے ان کا وزن ۳۹۷ گرام سے بڑھ گیا ہے؛ حالاں کہ ۱۳۰درہم:رطل کا تقریبی وزن ہے، تحدیدی نہیں۔

اگر رطل کا تحقیقی وزن لیں تو درہم اور دینار دونوں سے رطل کا گرام اور تولہ ایک ہی آئے گا، سر مو کے برابر بھی فرق نہ ہو گا؛ جیسا کہ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ اور مولانا ابو الکلام مظاہری مدظلہ العالی صاحب نے بھی وضاحت فرمائی ہے۔

ایک اصول یاد رکھنا چاہیے کہ فقہاء کے یہاں وہی درہم و دینار معتبر ہیں، جو وزن سبعہ کے مطابق ہوں؛یعنی دس درہم سات دینار کے برابر ہو جائے۔

اگر کسی کے حساب میں یہ تناسب باقی نہ رہے، تو اس کا حساب غلط مانا جائے گا؛

چنانچہ علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں:

قوله:(وفي الدراهم وزن سبعة، وهو أن تكون العشرة منها وزن سبعة مثاقيل) أي يعتبر أن يكون كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل (تبيين الحقائق: ٢/٧٥)

"درہم میں وزن سبعہ معتبر ہے؛یعنی: وہ درہم جس میں سے دس درہم سات دینار کے برابر ہو جائے"

یہی بات ظہیریہ، اختیار اور مبسوط میں بھی مذکور ہے، اور یہ وزن صحابہ کرام کا طئے کردہ ہے۔

(حاشيه شلبي على الزيلعي: ٢/٧٦،٧٥)

اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ رطل، مد اور صاع کو خواہ درہم سے تولیں یا دینار سے دونوں ہی صورتوں میں مجوعہ یکساں ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مد، رطل یا استار کا وزن بیان کرتے ہوئے جس نے بھی درہم و دینار کے حساب میں تفاوت لکھا ہے، پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس کا تسامح ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ صاحب ہدایہ اور ابن ہمام وغیرہ نے باب الربا میں لکھا ہے کہ رطل کا تعلق اوزان سے ہے، پیمانوں سے نہیں (فتح القدیر: ۱۷،۷) اس لئے راقم نے رطل کو اوزان کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

نوٹ: حضرت ابراہیم حربیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رطل کا اطلاق چار سو اسی درہم کے مجموعہ پر بھی ہوتا ہے (مغرب: مادہ رطل) مگر شرعی حسابوں میں یہ رطل مراد نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا رطل

تفصیل بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی رطل نوے مثقال کا ہی ہے؛ لیکن چونکہ ان کا دینار چھوٹا ہے؛ اس لئے رطل بھی چھوٹا ہوگا؛ یعنی صرف: دو سو تراسی گرام، چار سو پینتیس ملی گرام، دو سو میکرو گرام کا (۲۸۳ گرام، ۴۳۵ ملی گرام، ۲۰۰ میکرو گرام)۔

المَنُّ (عربی)

من (دو رطل): سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام) من: سڑسٹھ تولہ، چھ ماشہ (۶۷ تولہ، ۶ ماشہ)۔

من بھی عربی اوزان میں سے ہے؛ یہ رطل کا دوگنا ہوتا ہے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

والرطل نصف من، والمن بالدراهم مائتان وستون درهما (ردالمحتار ۲: ۳۶۵)

”رطل من کا نصف ہوتا ہے، اور من درہم سے دو سو ساٹھ درہم کا ہوتا ہے“

اس عبارت سے بس اتنا بتانا مقصود ہے کہ رطل نصف من کا ہوتا ہے؛ یعنی من دو رطل کے برابر ہوتا ہے، اسمیں کسی کا اختلاف نہیں، لیکن شامیؒ کی عبارت میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ۱۳۰ درہم رطل کا اور ۲۶۰ درہم من کا تقریبی وزن ہے، رطل کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ رطل کا تحقیقی وزن ۱۲۸، ۴/۷ ہے،

اس حساب سے من کا تحقیقی وزن ۷،۷۵۷ء۱ (دوستاون اورایک بٹہ سات درہم) ہوگا، اور جب اس کو درہم کے گرام سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ ہوگا: (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔

اور یہ وہی وزن ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ من کو ۲۶۰ درہم کہنا تقریبی ہے،
تحقیقی نہیں۔ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تولہ نیز مولانا مہربان علی صاحبؒ نے گرام اسی تقریبی وزن پر نکالا ہے، تحقیقی وزن پر نہیں؛ اسی لیے ان کا بیان کردہ وزن اس ناکارہ کے مجموعہ سے کچھ زائد ہے۔

من ہندی

یادرکھنا چاہیے کہ قدیم ہندوستانی اوزان میں بھی من کے نام سے ایک وزن ہے۔ وہ من اسّی (۸۰) تولہ کے سیر سے چالیس سیر کا ہوتا ہے، جس کا مجموعہ: ۳۷کلو، ۳۲۴ گرام، ۸۰۰ ملی گرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ من ہندی: من عربی سے تقریباً پچاس گنا بڑا ہے۔
درہم دینار سے چھوٹے اوزان

القیراط

قیراط: دو سو اٹھارہ ملی گرام، سات سو میکرو گرام
قیراط: ایک رتی، چار بٹہ پانچ رتی (۱رتی، ۵؍۴رتی)
درہم و دینار کی بحث میں معلوم ہو چکا کہ دینار بیس قیراط اور درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے، پس قیراط درہم کا چودہواں حصہ اور دینار کا بیسواں حصہ ہوا، اب اگر دینار کے وزن کو بیس سے یا درہم کے وزن کو چودہ سے تقسیم کریں گے، تو قیراط کا وزن معلوم ہوگا؛ یعنی: دو سو اٹھارہ ملی گرام، سات سو میکرو گرام، جس کو تقریبا: دو سو انیس ملی گرام بھی کہہ سکتے ہیں۔ ”الاوزان المحمودہ“ میں سات میکرو ملی گرام بتایا ہے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں: (الف) سات سو کو سات لکھا ہے؛ کیونکہ کلکولیٹر اعشاریہ کے حساب میں کبھی ایک کبھی دو صفر چھوڑ دیتا ہے، اسی لیے کاتب نے اس کو سات سمجھ لیا ہے۔ (ب) میکرو گرام کو میکرو ملی گرام لکھا ہے۔
اگر تولہ کا حساب لیں، تو درہم: پچیس رتی اور رتی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے، اس کو چودہ سے تقسیم کریں گے، تو قیراط: ایک رتی، پھر رتی کا چار خمس ہوگا؛ یعنی: پونے دو رتی سے کچھ زیادہ۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اسی کو پونے دو رتی لکھا ہے جو تقریبی وزن ہے، اسی کو مولانا مہربان علیؒ اور مفتی عارف باللہ صاحب نے گرام میں تبدیل کر دیا، تو مجموعہ ہوا: ۲۱۳ ملی گرام، ظاہر ہے یہ بھی تقریبی وزن ہے، تحدیدی نہیں؛ تحدیدی وزن وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

الدانق

دانق: پانچ سو دس ملی گرام، تین سو میکرو گرام (۵۱۰ ملی گرام، ۳۰۰ میکرو گرام)

دانق: چار رتی اور رتی کا پانچواں حصہ

دراصل دانق: درہم کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں؛ چنانچہ طحطاوی علی المراقی میں ہے:

وفی المصباح الدانق معرب وهو سدس الدرهم... و کسر النون أفصح من فتحها (طحطاوی: ۱: ۲۴۹)

''مصباح میں ہے کہ دانق (دانگ) کی عربی ہے، یہ درہم کا سدس ہوتا ہے، نون پر زیر پڑھنا زبر پڑھنے سے افصح ہے''۔

لہٰذا درہم کے وزن کو چھ سے تقسیم کریں گے، تو مجموعہ وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہوا۔ یہاں بھی ''الاوزان المحمودہ'' میں تین میکرو ملی گرام لکھا ہے؛ جبکہ صحیح وزن: تین سو میکرو گرام ہے۔ کلکولیٹر کی اصطلاح سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے کاتب نے تین لکھا ہے۔ حساب کی اس جیسی بہت سی غلطیاں ''الاوزان المحمودہ'' میں ہیں، آئندہ میں اس کا بیان نہیں کروں گا، قارئین کو دلچسپی ہو تو خود ملاحظہ فرمالیں گے۔

جب یہ طئے ہے کہ دانق فقہاء کے یہاں درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے اور درہم ہوتا ہے: پچیس رتی اور رتی کے خمس کا، تو جب اس کو چھ سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ: چار رتی، اور رتی کا خمس ہوگا اور یہی قیراط کا تحدیدی وزن ہوگا، لہٰذا بحر الجواہر میں جو دانق کو چار قیراط لکھا ہے اور اسی کو مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے رتیوں میں تبدیل کر کے سات رتی لکھا ہے، وہ تقریبی وزن ہے، اور اسی کو مولانا مہربان علیؒ نے گرام میں تبدیل کر کے: ۸۵۰ ملی گرام لکھا ہے، وہ بھی تقریبی ہے، تحدیدی نہیں؛ بلکہ صحیح یہ ہے کہ تقریبی وزن سے بھی بہت دور ہے۔ بڑے حساب میں کافی فرق پڑ جائے گا؛ غور کیجیے کہ اگر دانق کو سات رتی کا مانیں تو درہم اس کا چھ گنا بڑا بیالیس (۴۲) رتی کا ماننا ہوگا؛ حالاں کہ درہم مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے نزدیک بھی صرف پچیس

رتی اور خمس رتی کا ہے؛ اس لیے وہی حساب لینا چاہیے جو اس ناکارہ نے اوپر لکھا ہے؛ کیونکہ تحدیدی وزن وہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بحر الجواہر میں درج شدہ وزن ان کے زمانے کا ہو سکتا ہے، شرعی نہیں۔

حبة الشعير و القمحة

ایک جو: تینتالیس ملی گرام، سات سو چالیس میکرو گرام (۴۳ ملی گرام، ۷۴۰ میکرو گرام)
"حبہ شعیر" جو کے دانے کو کہتے ہیں اور معلوم ہو چکا کہ درہم ستر جو کا ہوتا ہے اور قمحہ گیہوں کے دانے کو کہتے ہیں اور علامہ شامیؒ نے بعض علماء کے حوالے سے گیہوں کے متوسط قسم کے دانے کو جو کے متوسط دانے کے برابر لکھا ہے:

لأنا اختبرنا الشعيرة المتوسطة مع القمحه المتوسطة فوجدناهما متساويتين

(ردالمحتار: ۲: ۲۹۶)

"کیونکہ ہم نے متوسط جو کو متوسط گندم کے دانے کے ساتھ موازنہ کیا تو دونوں کو برابر پایا"
اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ایک درہم ستر جو کا ہوتا ہے؛
لہذا جب درہم کے وزن کو ستر سے تقسیم کریں گے، تو جو کا وہی وزن ہو گا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

القفلة

قفلہ: دو گرام، سات سو ننانوے ملی گرام، تین سو ساٹھ میکرو گرام
اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں مکہ اور مدینہ میں جو درہم رائج تھا، وہ چونسٹھ جو کا تھا؛ یعنی: درہم شرعی سے چھ جو کم، اسی درہم کو قفلہ (بروزن ضربہ) کا نام دیا گیا تھا:

قال بعض المحشين: الدرهم الآن المعروف بمكة والمدينة وأرض الحجاز، وهو المسمى بالقفلة على وزن تمرة... وهو ينقص عن الدرهم الشرعي بست شعيرات

(ردالمحتار: ۲: ۲۹۶)

جو کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ ایک جو تینتالیس ملی گرام، تین سو ساٹھ میکرو گرام کا ہوتا ہے، تو اس کو چونسٹھ سے ضرب دینے پر وہی وزن آتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

الطّسُّوج

علامہ سجاوندیؒ نے لکھا ہے:

والدانق اربع طسوجات، والطسوج حبتان، والحبة شعيرتان

(فتح القدیر: ۲،۲۱۸ باب زکوۃ المال)

"دانق چار طسوج کا اور طسوج دو حبہ کا اور حبہ دو جو کا ہوتا ہے"۔

دانق اور حبہ کا جو وزن گذشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے اس کے پیش نظر سجاوندیؒ کا یہ کلام بہت قابل اشکال ہے؛ لیکن اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ طسوج سجاوندیؒ کے کلام میں آیا ہے اور سجاوندیؒ نے ہی طسوج کی وزن دانق اور حبہ بتلایا ہے اور حبہ کو دو جو کا مانا ہے اور ہم لوگ متعارف دانق اور جو کے دانے سے اس کی تشریح کر رہے ہیں؛ اس لئے اشکال واقع ہو رہا ہے، اگر ہم ہو بہو ان کا حساب تسلیم کر لیں اور اس کو ان کے زمانے کی اصطلاح قرار دیں؛ جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے، تو کوئی اشکال نہیں ہو گا۔

القِنْطار

قرآن میں قنطار کا لفظ آیا ہے کہ عورتوں کو اگر مہر میں قنطار بھی دیدیا ہو تو اسے واپس نہ لینا چاہیے (وَإِنْ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُنَّ شَيْئاً)۔ اسی طرح بعض اہل کتاب کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ اگر ان کو قنطار بھی بطور امانت دیدیا جائے تب بھی ان کا ایمان ڈانواڈول نہ ہو گا (وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ)۔

اسی طرح فضائل کی حدیث میں بھی قنطار کا لفظ آیا ہے۔ اب مفسرین کا اختلاف ہوا ہے کہ قنطار کی مقدار کیا ہے؛ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ اہل عرب میں اس کا وزن نامعلوم ہے، ثعلبؒ کہتے ہیں کہ اکثر اہل عرب اس کو چار ہزار دینار مانتے ہیں، مسند احمدؒ کی ایک روایت میں قنطار کو بارہ ہزار اوقیہ بتلایا گیا ہے۔ حقیقیت یہ ہے کہ قرآن کریم میں قنطار سے مال کثیر مراد ہے، کوئی خاص مقدار مراد نہیں، اس لئے اس کا وزن معلوم کرنے کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب دوم

پیمانوں کا بیان

غلہ جات کے پیمانہ کو مکیال کہتے ہیں، اس کی جمع مکائیل آتی ہے۔
درج ذیل پیمانوں کے نام کتاب وسنت یا کتب فقہ میں آئے ہیں: صاع، مد، عرق، فرق، قدح، قربہ، قسط، قفیز، قلہ، کر، کیلجہ، وسق، مکوک، مختوم، مدی، اردب، ویبہ۔ مد اور صاع چونکہ سب پیمانوں کا مرجع ہیں؛ اس لیے پہلے اسی کو بیان کرتے ہیں۔

المُدُّ والصاع

مد: سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)
صاع: تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام (۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام)
نصف صاع: ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام)
تولہ سے ایک مد: ۶۷ تولہ، ۶ ماشہ۔ ایک صاع: ۲۷۰ تولہ (دو سو ستر تولہ)
اس کی تفصیل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ایک صاع: چار مد، اور ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے؛
چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

الصاع اربعة امداد، والمد رطلان، والرطل نصف من ... فالمد والمن سواء، كل منهما ربع صاع (ردالمحتار: ۳۲۰/۲ باب صدقة الفطر)

”صاع چار مد کا، مد دو رطل کا اور رطل نصف من کا ہوتا ہے؛ لہٰذا مد اور من برابر ہوئے؛ یعنی دونوں چوتھائی صاع ہوتے ہیں“۔

اتنی بات تمام فقہائے حنفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے، اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا ایک صاع مد سے چار مد اور رطل سے آٹھ رطل کا ہوتا ہے، اور رطل سے رطل عراقی مراد ہے۔ لہٰذا رطل کا جو تحقیقی تولہ گرام پہلے لکھا جا چکا ہے، اس کو آٹھ سے ضرب دیں، تو صاع کا وہی وزن آتا ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے۔
اسی طرح رطل کے تولہ گرام کو دو سے ضرب دیں، تو مد کا وہی وزن آتا ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

اسی طرح ایک رطل کا تحقیقی وزن چونکہ نوے مثقال (دینار) ہوتا ہے، لہذا نوے کو آٹھ سے ضرب دیں گے، تو ایک صاع: سات سو بیس (۷۲۰) مثقال کا ہوگا، اور ۷۲۰ کو مثقال کے گرام اور تولہ سے ضرب دیں گے، تو بھی مجموعہ وہی ہوگا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

اسی طرح رطل کا تحقیقی وزن چونکہ ۱۲۸ درہم اور چار بٹہ سات درہم ہے، پس اس کو آٹھ سے ضرب دیں گے، تو صاع کا تحقیقی وزن (۱۰۲۸) ایک ہزار اٹھائیس درہم اور ایک بٹہ سات درہم آتا ہے، اس کو درہم کے گرام اور تولہ سے ضرب دیں گے، تب بھی وہی حساب آئے گا، سر مو فرق نہیں ہوگا۔

علامہ شامیؒ اور کئی حضرات نے اس تحقیقی وزن کے بجائے صاع کو (۱۰۴۰) درہم لکھا ہے، جو اس پر مبنی ہے کہ رطل ۱۳۰ درہم کا ہوتا ہے، اور رطل کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ ۱۳۰ درہم رطل کا تحقیقی وزن نہیں؛ لہذا جن حضرات نے ۱۰۴۰ کو تولہ یا گرام میں بدلا ہے، ان کا وزن تحقیقی نہیں ہوگا۔ اس نکتہ کے ذہن نشین نہ ہونے کی وجہ سے رسالہ '' اوزان شرعیہ '' میں دینار سے صاع کا حساب لگایا ہے تو ۲۷۰ تولہ ہوا ہے اور درہم سے صاع کا حساب کیا ہے تو ۲۷۳ تولہ ہو کر حساب میں تین تولہ کا فرق پڑ گیا ہے۔

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اصل رسالہ میں درہم کا حساب سے صاع تین تولہ بڑا ہے، لیکن آخری نقشہ میں برعکس دینار کے حساب سے صاع کو تین تولہ بڑا دکھایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ تسامح ہے۔ اور چونکہ مولانا مہربان علیؒ نے بھی آخری نقشہ ہی کو گرام میں تبدیل کیا ہے، لہذا یہ تسامح ان کے حساب میں بھی ہے کہ دینار سے صاع کا وزن بڑا ہو گیا ہے، اور درہم سے چھوٹا؛ حالاں کہ حساب درہم سے ہو یا دینار سے نتیجہ ایک ہی آنا چاہیے، جس کی وجہ رطل کے بیان میں تفصیل سے لکھی جا چکی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا اختلاف

یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لینے کی ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک صاع: چار مد کا ہوتا ضرور ہے، مگر چار مد آٹھ رطل کا نہیں ہوتا؛ بلکہ پانچ رطل، پھر ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ائمہ ثلاثہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا؛ مگر علامہ فخر الدین زیلعیؒ نے اس نسبت کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ رجوع کا قصہ ہی بے سر وپا ہے؛ کیوں کہ اس واقعہ کے کئی ایک مجہول ہیں، دوسرے اگر امام ابو یوسفؒ نے اپنے قول سے رجوع کیا ہوتا تو امام محمد اس کو ضرور نقل کرتے؛

کیونکہ وہ امام ابو یوسف کی آراء کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ ابن ھمامؒ نے لکھا ہے کہ جہالت رواۃ والی بات قابل تسلیم نہیں، البتہ یہ دوسری وجہ قابل قبول ہے۔

علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ایک بات کہی ہے کہ امام ابو یوسف کا قصہ تو صحیح ہے کہ انہوں نے اہل مدینہ کا صاع لے کرناپا تو آٹھ رطل کے بجائے پانچ رطل اور ایک تہائی رطل نکلا؛ مگر وہ رطل مدینہ کا تھا اور مدنی رطل تیس استار کا ہوتا اور جن لوگوں نے آٹھ رطل کہا ہے، انہوں نے عراقی رطل مراد لیا ہے، اور عراقی رطل صرف بیس استار کا ہوتا ہے؛ لہذا عراقی رطل سے بھی ایک صاع: ایک سو ساٹھ استار کا ہوتا ہے، اور رطل مدنی سے بھی (یعنی ۲۰ کو ۸ سے ضرب دیجئے یا تیس کو ۵ رطل اور ثلث رطل سے، حساب ایک ہی ہوگا)۔ علامہ زیلعیؒ اس توجیہ کی تائید ان الفاظ میں کی ہے:

وهذا اشبه؛ لأن محمدا رحمه الله لم يذكر خلاف أبي يوسف رحمه الله، ولو كان فيه لذكره، وهو أعرف بمذهبه (تبیین: ۱۴۱/۲، شامی: ۳۲۰/۳، باب صدقة الفطر)

"یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے (کہ امام ابو یوسف اور طرفین کا مسلک ایک ہے) کیوں کہ امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں امام ابو یوسفؒ کے اختلاف کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، اگر اختلاف ہوتا تو ضرور ذکر فرماتے؛ کیوں کہ وہ امام ابو یوسفؒ کا مسلک دوسروں سے زیادہ جانتے تھے"۔

امام ابو یوسفؒ کے رجوع کی کیا حقیقت ہے؟ اس کی مزید تحقیق ہم تھوڑی دیر بعد پیش کریں گے، پہلے ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اوپر امام ابو یوسفؒ اور طرفین کے اقوال کے درمیان جس طرح تطبیق پیش کی گئی ہے، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ صاع کی بابت ائمہ حنفیہ و غیر حنفیہ کا بھی کوئی اختلاف نہیں؛ کیوں کہ یہی توجیہ و تطبیق یہاں بھی چل سکتی ہے؛ حالاں کہ یہ بات سراسر غلط ہے؛

اگر سب کے نزدیک صاع کا وزن ایک ہی ہوتا تو حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر چونکہ نصف صاع گندم ہے اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک ایک صاع؛ اس لئے ان کے نزدیک صدقہ فطر ہم سے دوگنا؛

یعنی تین کلو سے اوپر ہونا چاہئے؛ حالاں کہ ان کے یہاں بھی صدقہ فطر ہمارے صدقہ فطر کے قریب قریب ہے؛ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کا صاع ضرور چھوٹا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے؛

کیونکہ حنفیہ کی طرح شافعیہ وغیرہ نے بھی صاف لکھا ہے کہ مد اور صاع کے حساب میں ان کے یہاں بھی رطل عراقی ہی معتبر ہے؛ چنانچہ شافعی مسلک کی مشہور کتاب تحفۃ المحتاج میں ہے:

والصاع أربعة أمداد، والمد رطل وثلث وقدرت بالبغدادي؛ لأنه الرطل الشرعي (تحفة المحتاج، باب زكوة النبات)

"صاع چار مد کا ہوتا ہے، اور مد ایک رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے، اور صاع کو رطل بغدادی (عراقی) سے ناپا گیا ہے؛ کیونکہ رطل شرعی وہی ہے"۔

اسی طرح مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ "المغنی" میں لکھتے ہیں:

وبينا أنه خمسة أرطال وثلث بالعراقي (۵: ۳۰۱)

"ہم بتا چکے ہیں کہ صاع پانچ رطل اور تہائی رطل عراقی کے مساوی ہے"

اس طرح ائمہ ثلاثہ کا صاع حنفیہ کے صاع سے ایک رطل دو ثلث چھوٹا ہو جاتا ہے۔ نیز ائمہ ثلاثہ کا صاع اس وجہ سے بھی مزید چھوٹا ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک درہم ستر جو کا نہیں، بلکہ پچاس جو اور دو خمس جو کا اور دینار صرف بہتر جو کا ہوتا ہے؛ صاوی اور فواکہ دوانی وغیرہ کئی ایک معتبر کتب میں یہی لکھا ہوا ہے:

لأن وزن الدرهم كما تقدم خمسون وخُمُسا حَبَّةٍ من الشعير المتوسط، وكل دينار وزنه اثنتان وسبعون شعيرة (الفواكه الدواني: ۲: ۴۹۷)

"درہم کا وزن متوسط جو سے پچاس جو، اور دو خمس جو کا ہوتا ہے، اور دینار کا وزن بہتر جو کا ہوتا ہے"

مزید حوالے دینار کی بحث میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک درہم ستر جو کا اور دینار سو جو کا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اول تو صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہے، اور ان کا رطل بھی اگرچہ حنفیہ کی طرح نوے دینار کا ہے، مگر ان کا دینار حنفیہ کے دینار سے تقریباً اٹھائیس جو چھوٹا ہے؛

اس طرح حنفیہ کے نصف صاع اور ائمہ ثلاثہ کے ایک صاع میں کچھ زیادہ تفاوت باقی نہیں رہتا۔

اور حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا رطل صرف: دو سو تراسی گرام، چار سو پینتیس ملی گرام، دو سو میکرو گرام کے مساوی ہے؛ اس لئے ان کا صاع صرف: اکلو، پانچ سو گیارہ گرام، چھ سو باون ملی گرام، چار سو میکرو گرام ہو گا۔

فی زمانہ اہل عرب جو صاع کا وزن بتلاتے ہیں اس سے ہماری تحریر پر شبہ نہ کرنا چاہیے؛

کیونکہ ممکن ہے انہوں نے درہم کے پچاس جو کو کسی اور طرح تولا ہو، جس طرح خود حنفیہ میں سے علمائے دہلی، مولانا عبد الحیؒ اور مولانا مخدوم سندھی کے حساب میں فرق ہو گیا ہے؛

حالاں کہ سب نے درہم کے ستر جو یا دینار کے سو جو ہی کو تول کر دکھلایا ہے۔

کیا ابو یوسفؒ کا رجوع ثابت ہے؟

صاحب ینابیع شرح قدوری میں علامہ رشید الدین محمود بن رمضان رومیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا رجوع ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی طرف ثابت ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، علامہ کاکیؒ کا معراج الدرایہ میں اور ابن نجیم کا بحر میں اسی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے:

وردہ فی الینابیع بأن الصحیح أن الاختلاف بینہم ثابت بالحقیقۃ

(بحر،منحۃ الخالق: ۲/۴۴۳، ۴۴۴باب صدقۃ الفطر)

راقم حروف کہتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف کا اختلاف حقیقی اختلاف نہیں؛ پہلے کتاب الخراج کی پوری عبارت پڑھ لیجیے:

والوسق ستون صاع بصاع النبی ﷺ والصاع خمسۃ أرطال وثلث، وھو مثل قفیز الحجاج مثل الرُبع الھاشمی، والمختوم الھاشمی الاوّل إثنان وثلاثون رطلا

(الخراج: ۵۳،فصل ماینبغی أن یعمل بہ فی السواد)

”وسق نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صاع سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے؛ پس پانچ وسق تین سو صاع کے مساوی ہو گا۔ اور صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے، جو قفیز (صاع) حجاجی کے برابر ہے؛ یعنی رُبع ھاشمی کے مساوی اور پہلے مختوم (قفیز) ھاشمی بتیس (۳۲) رطل کا ہوتا تھا“

اب سمجھیے کہ امام ابویوسفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں، عبارت ذرا دقیق ہے؛ وہ فرمارہے ہیں کہ صاعِ نبوی ﷺ پانچ رطل اور تہائی رطل کا تھا، مگر ساتھ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ صاع نبوی صاع حجاجی کے مساوی تھا، اور گذشتہ صفحات میں معلوم ہو چکا کہ صاع حجاجی آٹھ رطل عراقی کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہو کہ صاع نبوی آٹھ رطل کا تھا۔ دوسری بات ابویوسفؒ نے یہ کہی کہ صاع نبوی ﷺ ربع ہاشمی کے مساوی تھا، اور پہلے مختوم ہاشمی ۳۲ رطل کا ہوتا تھا، تو اس کا ربع آٹھ رطل ہوگا۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ صاع نبوی آٹھ رطل عراقی کا تھا۔ الحاصل خود امام ابویوسفؒ ایک ہی عبارت میں صاع کو آٹھ رطل بھی کہہ رہے اور پانچ رطل بھی اور یہ اسی توجیہ پر ممکن ہے جو ابھی علامہ زیلعیؒ کے حوالہ سے مذکور ہوئی۔

واضح رہے کہ صاع، قفیز اور مختوم کے الفاظ کبھی ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں

(دیکھیے: مختوم اور قفیز کی بحث)؛ چنانچہ امام ابویوسفؒ نے جو یہ کہا کہ پہلے مختوم (قفیز) ہاشمی ۳۲ رطل کا تھا؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں چل کر مختوم (قفیز) ہاشمی کا وزن بدل گیا اور قفیز کے بیان میں آئے گا کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قفیز ہاشمی ایک صاع حجاجی کے مساوی تھا، گویا یہ تبدیل شدہ مختوم (قفیز) ہاشمی تھا۔ ربع ہاشمی کا اصل مطلب ہے: قدیم مختوم ہاشمی کا چوتھائی، اس کو فقہ کی کتابوں میں ربع الہاشمی (اضافت کے ساتھ) اور الربع الہاشمی (ترکیب توصیفی کیساتھ) دونوں طرح لکھا گیا ہے؛ دیکھیے:

امام سرخسی مبسوط (۱۵/۱۷۷، کتاب الاجارات) میں لکھتے ہیں:

ولو أعطى صباغا ثوبا ليصبغه بعصفر بربع الهاشمي بدرهم، فصبغه بقفيز عصفر... ومعنى هذه المسألة أن الربع الهاشمي هو الصاع، وهو ربع قفيز: فكأنه أمره بأن يصبغه صبغا غير مشبع، وقد صبغ صبغا مشبعا

"اگر رنگریز کو کپڑا دیا تاکہ وہ ایک درہم اجرت لے کر قفیز ہاشمی کے چوتھائی مقدار کسم سے رنگ دے؛ لیکن اس نے پورے ایک قفیز سے رنگ دیا (تو ضمان لازم ہوگا) اس کی وجہ یہ ہے کہ ربع ہاشمی ایک صاع ہوا، اور صاع: قفیز ہاشمی قدیم کا چوتھائی ہوتا ہے، تو گویا مالک نے یہ کہا تھا کہ (رنگ کم استعمال کرے تاکہ) رنگ گہرا نہ ہو، اور رنگریز نے رنگ (زیادہ ڈال کر) گہرا کر دیا"۔

اس عبارت میں "ربع الہاشمی" اور "الربع الہاشمی" ایک ہی معنی میں ہے۔ نیز علامہ سرخسیؒ کی اس عبارت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ ربع ہاشمی صاع کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی بتلایا کہ صاع قفیز کا چوتھائی ہوتا ہے؛

یہ وہی پہلے زمانے کا قفیز ہاشمی ہے جس کو امام ابویوسفؒ نے ۳۲ رطل کے مساوی بتلایا ہے۔

صاع کے آٹھ رطل ہونے پر حنفیہ کے دلائل

یہاں بلا ترجمہ صرف روایات نقل کی جاتی ہیں؛ تفصیل ''الرضی شرح ترمذی'' میں ہوگی۔

حنفیہ درج ذیل روایتوں سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) ثناہ أبو الليث الفرائضی ثنا محمد بن إسماعيل الخشوعی ثنا بن علية حدثنی عبد الله بن مطر أبو ريحانة عن سفينة مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان النبی ﷺ كان يتوضأ بالمد رطلين ويغتسل بالصاع ثمانية أرطال

(الكامل لابن عدی: ترجمة ابو ريحانة عبدالله بن مطر)

(۲) ثنا صالح بن موسى الطلحی ثنا منصور عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة قالت: جرت السنة من رسول الله ﷺ فی الغسل من الجنابة صاع والوضوء رطلين والصاع ثمانية أرطال لم يروه عن منصور غير صالح وهو ضعيف الحديث

(دار قطنی: ۲: ۱۵۳)

(۳) حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ- صلى الله عليه وسلم- كَانَ يَغْتَسِلُ فِی حِلاَبٍ قَدْرَ هَذَا. وَأَرَانَا أَبُو عَاصِمٍ قَدْرَ الْحِلاَبِ بِيَدِهِ فَإِذَا هُوَ كَقَدْرِ كُوزٍ يَسَعُ ثَمَانِيَةَ أَرْطَالٍ ثُمَّ يَصُبُّ عَلَى شِقِّ رَأْسِهِ الأَيْمَنِ

(سنن کبری للبیہقی: ۱: ۱۷۴ الوضو)

اس سند پر بیہقی نے کوئی کلام نہیں کیا ہے؛ حالاں کہ سب روایات پر کلام کیا ہے۔

(۴) حدثنا فهد قال ثنا سعيد بن منصور قال ثنا شريك عن عبد الله بن عيسى عن عبد الله يعنی ابن جبير عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يتوضأ برطلين ويغتسل بالصاع فهذا أنس قد أخبر أن مد رسول الله صلى الله عليه وسلم والصاع أربعة أمداد فإذا ثبت أن المد رطلان ثبت أن الصاع ثمانية أرطال

(شرح معانی الاثار: باب وزن الصاع كم هو)

(۵) أخبرنا محمد بن عبيد قال حدثنا يحيى بن زكريا عن موسى الجهنى قال أتى مجاهد بقدح حزرته ثمانية أرطال فقال حدثتنى عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل بمثل هذا (نسائى: حديث رقم: ۲۲۶)

اس سند کو جوہر نقی میں علامہ ترکمانیؒ نے جید قرار دیا ہے (۱،۱۹۳)۔

قال مجاهد: فحزرته فيما أحزر ثمانية أرطال تسعة أرطال عشرة أرطال، قال أبو جعفر: فذهب ذاهبون الى أن وزن الصاع ثمانية أرطال، واحتجوا فى ذلك بهذا الحديث، وقال: لم يشك مجاهد فى الثمانية وانما شك فيما فوقها فثبتت الثمانية بهذا الحديث وانتفى ما فوقها (شرح معانى الاثار: باب وزن الصاع كم هو)

(۶) وعن امية بن خالد قال لما ولى خالد القسرى اضعف الصاع فصار الصاع ستة عشر رطلا اخرجه أبو داود وسكت عنه (الجوهر النقى: ۱: ۱۹۶)

(۷) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ أَبِي شِهَابٍ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ فُضَيْلٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: الْقَفِيزُ الْحَجَّاجِيُّ هُوَ الصَّاعُ. (مصنف ابن ابى شيبة: باب الصاع، ما هو)

امام ابو یوسف نے اپنی سند سے عامر شعبیؒ سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے:

(۸) قال: وحدثنى السرى عن الشعبى أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرض على الكرم عشرة دراهم، وعلى الرطبة خمسة، وعلى كل أرض يبلغها الماء عملت أو لم تعمل درهما ومختوما؛ قال عامر: هو الحجاجى، وهو الصاع

(الخراج: ۳۷، فصل ما عمل به فى السواد)

(۹) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، قَالَ: سَمِعْتُ حَسَنًا يَقُولُ: صَاعُ عُمَرَ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ. وَقَالَ شَرِيكٌ: أَكْثَرُ مِنْ سَبْعَةِ أَرْطَالٍ وَأَقَلُّ مِنْ ثَمَانِيَةٍ.

(مصنف ابن ابى شيبة: باب الصاع، ما هو)

(۱۰) حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: الْحَجَّاجِيُّ صَاعُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ. (ايضا)

تلک عشرۃ کاملۃ

ان سب روایات کا خلاصہ یہی ہے کہ صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

المختوم

مختوم (صاع): تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث میں صاع کو مختوم بھی کہا گیا ہے؛ سنن ابو داؤد کی روایت میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ زَكَاةٌ، وَالْوَسْقُ سِتُّونَ مَخْتُومًا (باب ما تجب فيه الزكوة)

"حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے، وہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں، اور وسق ساٹھ مختوم (صاع) کا ہوتا ہے"۔

اس روایت میں مختوم، صاع کے ہم معنی ہے؛ کیونکہ اولاً: اسی روایت کے دوسرے طریق میں ستون صاعاً ہے، ثانیاً: وسق کا ساٹھ صاع ہونا اہل علم کا اتفاق ہے، ثالثاً: علامہ مجد الدین فیروزابادیؒ القاموس المحیط (مادہ ختم) میں لکھتے ہیں:

والمَخْتُومُ: الصاعُ (مختوم صاع کو کہتے ہیں)۔

نیز علامہ مطرزیؒ لکھتے ہیں:

(وَالْمَخْتُومُ) الصَّاعُ بِعَيْنِهِ عَنْ أَبِي عُبَيْد، وَيَشْهَدُ لَهُ حَدِيثُ الْخُدْرِيِّ الْوَسْقُ سِتُّونَ مَخْتُومًا (المغرب، مادة: ختم)

"مختوم بعینہ صاع کو کہتے ہیں؛ یہ ابو عبیدؒ سے منقول ہے؛ ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں ہے کہ وسق ساٹھ مختوم کا ہوتا ہے"۔

القِسط

قسط (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام

قسط ایک پیمانہ ہے، جو نصف صاع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ صاحب المغرب علامہ ناصر الدین مطرزیؒ (مادہ قسط) میں لکھتے ہیں:

القسط في المكائيل، وهو نصف صاع

''قسط ایک پیمانہ ہے، جو نصف صاع کا ہوتا ہے''

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضور ﷺ ایک ہی برتن کے پانی سے غسل کرتے تھے، جو ایک فرق کے برابر تھا (باب مقدار الماء الذی یجزی بہ الغسل) اور صحیح ابن حبان کی روایت میں اسی کو چھ قسط بتایا گیا ہے۔ (کتاب الحظر والاباحۃ: ۱۲؍۳۹۰)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قسط نصف صاع کا ہوتا ہے؛ کیونکہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ لغت میں قِسط ایک حصہ کو کہتے ہیں اور حدیث میں اس کا اطلاق لوٹے پر بھی آیا ہے۔

(دیکھیے: مجمع بحار الانوار: مادہ قسط)

الکِیلَجۃ

کیلجہ (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام

علامہ مطرزی لکھتے ہیں:

المکوك صاع ونصف، وهو ثلاث کیلجات

''مکوک ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے، اور ڈیڑھ صاع تین کیلجہ ہوتا ہے''

لہٰذا ایک کیلجہ نصف صاع کا ہوگا۔

المکّوک

مکوک (ایک مد): سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)

مکوک عراقی (ڈیڑھ صاع): چار کلو، سات سو تیئیس گرام، نو سو بیس ملی گرام

(۴ کلو، ۴۲۳ گرام، ۹۲۰ ملی گرام)

مکوک ایک پیمانہ تھا، جس کا وزن ہر ملک میں مختلف رہا ہے، عراق میں ڈیڑھ صاع کا ایک مکوک ہوتا تھا، اور صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا جو ایک مکوک سے وضو کرنا اور پانچ مکوک سے غسل کرنا منقول ہے، وہاں مکوک سے ایک مد مراد ہے؛ چنانچہ علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں:

وفی حدیث أنس: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتوضأ بمَکُّوكٍ، ویَغْتَسِلُ بخمسة مَکاکِیكَ، وفی روایة: بخمسة مَکاکی، أراد بالمَکُّوك المُدَّ، وقیل: الصاع. والأوّل أشبه، لأنه جاء فی حدیث آخر مُفَسَّراً بالمُدّ، والمَکاکی: جمعُ مَکُّوكٍ علی إبدالِ الیاء من الکاف الأخیرة. والمکُّوك: اسمٌ للمکیال، ویَختلف مقدارُہ باختلاف اصطلاح الناس علیہ فی البلاد (النھایة: مادة مکوك)

”حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ ایک مکوک سے وضو فرماتے اور پانچ مکوک سے غسل فرماتے تھے۔ ایک روایت میں (مکوک کی جمع) مکاکیک ہے دوسری میں مکاکی ہے؛ اس حدیث میں مکوک سے مد مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صاع مراد ہے؛ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے؛ کیونکہ ایک دوسرے طریق میں صراحتاً مد ہی کا لفظ آیا ہے۔ مکاکی بھی مکوک ہی کی جمع ہے؛ آخری کاف کو یا سے بدل دیا گیا ہے۔ مکوک ایک پیمانہ ہے؛ اس کی مقدار ہر ملک میں جدا جدا ہوتی ہے“۔

علامہ ابن اثیرؒ کا یہ کلام نہایت واضح ہے، اس سے ہر طرح تشفی ہو جاتی ہے۔ لیکن شارحین حدیث میں ایک معتبر مالکی عالم قاضی عیاض بھی ہیں، انہوں نے مشارق الانوار میں مکوک کی بابت جو لکھا ہے، اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے، اس لیے اسے دور کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں:

قوله المکوك هو مکیال معروف بالعراق، وبفتح المیم وتشدید الکاف، ویسع صاعا ونصفا بالمدنی، ویجمع مکاکی ومکاکیك، وبالروایتین جاء فی مسلم

(مشارق الانوار، ماۃ: م، ك، ك)

”مکوک ایک پیمانہ ہے، جو عراق میں مشہور ہے، میم مفتوح اور کاف مشدد کے ساتھ ہے، اس میں مدنی صاع سے ڈیڑھ صاع سماتا ہے، اس کی جمع مکاکی اور مکاکیک دونوں ہے، اور دونوں الفاظ صحیح مسلم میں مروی ہیں“۔

اس عبارت سے بظاہر یہ گمان جاتا ہے کہ مسلم شریف کی جس روایت میں حضور ﷺ کا ایک مکوک سے وضو کرنا اور پانچ مکوک سے غسل کرنا ثابت ہوتا ہے، اس روایت میں مکوک سے ڈیڑھ صاع کا پیمانہ مراد ہے؛ حالاں کہ ایسا ہرگز درست نہیں؛ حضور ﷺ کا صرف ایک صاع سے غسل کرنا کئی ایک احادیث میں صراحتاً منقول ہے، اور فقہاء و محدثین کے درمیان یہی مشہور بھی ہے،

اب اگر مکوک ڈیڑھ صاع کا ہو، تو پانچ مکوک ساڑھے سات صاع کا ہوتا ہے؛ اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضور ﷺ ساڑھے سات صاع سے غسل فرماتے تھے۔

یہ اشکال ابن الجوزیؒ کو بھی ہوا ہے، فرماتے ہیں:

فی الحدیث کان رسول اللہ یغتسل بخمسة مکاکیك؛ هذا مشکل، لأن المکوكَ المعروفَ صاعٌ ونصفٌ، وقد کان رسولُ اللہِ یغتسلُ بالصَّاعِ الواحدِ؛ إلی أن رَأَیْتُ الأزهریَّ قد حکی عن اللیثِ أنه قال: المکوكُ طأسٌ یُشْرَبُ به، فَزَالَ الإِشکالُ وقال غیره: المکوكُ إناءٌ یسع نحو المَدِّ معروف عندهم

(غریب الحدیث لابن الجوزی، باب المیم والکاف)

”حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ پانچ مکوک سے غسل فرماتے تھے، یہ قابل اشکال ہے؛ کیونکہ مکوک جو مشہور ہے، وہ ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ صرف ایک صاع سے غسل فرماتے تھے، یہاں تک کہ میں نے ازہری کے کلام میں دیکھا، انہوں نے لیث سے نقل کیا ہے کہ مکوک ایک مگ ہے، جس سے پانی پیا جاتا ہے۔ اس سے اشکال ختم ہو گیا، اور بعض نے صراحت بھی کر دی ہے کہ مکوک ایسا برتن ہے، جس میں ایک مد سماتا ہے“۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قاضی عیاض نے حدیث غسل میں مذکور مکوک کی تشریح عراقی مکوک سے کر دی، اس لئے اشکال کھڑا ہو گیا؛ حالاں کہ حدیث میں وہ مکوک مراد نہیں، بلکہ مد مراد ہے؛

پس طئے یہ ہوا کہ حضور ﷺ ایک مد (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام) سے وضو کرتے تھے اور غسل کبھی پانچ مد (۳ کلو، ۹۳۶ گرام، ۶۰۰ ملی گرام) سے، کبھی ایک صاع (۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام) سے کرتے تھے۔ حضور ﷺ چار مد سے غسل فرماتے تھے یا پانچ مد سے، اس کی ایک اور توجیہ باب چہارم میں امام طحاویؒ کے حوالے سے آرہی ہے۔

الفَرَق

فرق (تین صاع): نو کلو، چار سو سینتالیس گرام، آٹھ سو چالیس ملی گرام

علامہ ازہریؒ کہتے ہیں کہ اہل عرب راء پر زبر اور محدثین سکون پڑھتے ہیں۔

فرق ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق تین صاع کا ہوتا ہے؛ حدیث میں بھی فرق کو تین صاع ہی بتلایا گیا ہے؛

بخاری و مسلم میں روایت ہے:

حَدَّثَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَفَ عَلَيْهِ وَرَأْسُهُ يَتَهَافَتُ قَمْلاً فَقَالَ: أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ: فَاحْلِقْ رَأْسَكَ. قَالَ فَفِيَّ نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ) فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ أَوْ تَصَدَّقْ بِفَرَقٍ بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ أَوِ انْسُكْ مَا تَيَسَّرَ. (مسلم، كتاب الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم، بخاری، باب قول الله تعالى: {أو صدقة} وهي إطعام ستة مساكين)

"عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت کعبؓ بن عجرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ ان کا سر جوؤں سے بھر گیا تھا، آپ نے پوچھا کہ یہ کیڑے تمہیں تکلیف دے رہے ہیں؟ میں نے کہاہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو سر منڈادو۔

حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی **فمن کان منکم مریضاً الایۃ**

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(بحالت احرام سر منڈانے کے فدیہ میں) تین روزے رکھ لو، یا ایک فرق غلہ چھ مسکینوں کو دیدو، یا جو میسر ہو قربانی کرو"۔

بخاری و مسلم میں اسی روایت کے دوسرے طریق میں یہ وضاحت بھی ہے

کہ ایک فرق تین صاع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ بخاری میں ہے:

فقال: فصم ثلاثة أيام أو أطعم ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع

(باب الاطعام في الفدية نصف صاع)

"فرمایا: تین روزے رکھو، یا چھ مسکینوں کو کھانا دو؛ ہر مسکین کو نصف صاع"۔

اور مسلم (باب سابق) میں ہے: وَالْفَرَقُ ثَلاَثَةُ آصُعٍ (فرق تین صاع کا ہوتا ہے)؛ اسی لئے تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ لیکن صاع کتنے رطل کا ہوتا ہے؟ اس کی تحقیق پہلے گذر چکی کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے؛ لہذا تین صاع سولہ رطل کا ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ

کی فقہ ہو یا لغت کی کتابیں، سب جگہ یہی سولہ رطل لکھا ہوا ہے۔ اس پر کچھ تعجب نہیں؛ کیونکہ اصحاب لغت؛ ابو عبید قاسم بن سلامؒ، ازہریؒ، فیروزابادیؒ اور ابن منظور افریقیؒ وغیرہ کا مسلک بھی وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا ہے۔ قاری کو حیرت تو اس وقت ہوتی ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ ابن ہمامؒ اور مطرزیؒ جیسے محقق حنفی حضرات نے بھی فرق کو سولہ رطل ہی لکھا ہے۔ اب یہ کہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ حنفیہ نے بھی اصحاب لغت کی تقلید میں فرق کی مقدار سولہ رطل لکھا ہے، ور اصحاب لغت نے اپنی تحقیق اور اپنا مسلک لکھا ہے، وہ حنفیہ کا مسلک نہیں ہو سکتا۔

میری اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب حدیث بالا میں ایک فرق کو تین صاع لکھا ہے اور صاع حنفیہ کے نزدیک آٹھ رطل کا ہوتا ہے، تو لا محالہ فرق چوبیس رطل کا ہوگا، سولہ رطل کا نہیں۔ اور جب صاع کے وزن کو تین سے ضرب دیں گے تو مجموعہ وہی ہوگا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے؛ وہ یہ کہ محیط میں کسی مقام پر فرق کو ساٹھ (۶۰) رطل لکھا ہے، اور امام محمدؒ نے شہد کے عشر کے مسئلہ میں فرق کو ۳۶ رطل بتلایا ہے، وہ یا تو ناقلین کا تسامح ہے، یا وہ بھی کسی قسم کا فرق ہے؛ چنانچہ نے علامہ ناصر الدین مطرزیؒ نے بھی اس پر اپنے تحفظ و تردد کا اظہار فرمایا ہے۔

(دیکھیے: المغرب: مادہ فرق)

القَفِیز

قفیز عراقی (۱۲ صاع): ۳۷ کلو، ۹۱۷ گرام، ۳۶۰ ملی گرام

قفیز ہاشمی قدیم (۴ صاع): ۱۲ کلو، ۵۹۷ گرام، ۱۲۰ ملی گرام

قفیز ہاشمی جدید (۱ صاع): ۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام

قفیز دراصل تین قسم کے ہوتے تھے: قفیز عراقی، قفیز ہاشمی قدیم اور قفیز ہاشمی جدید۔

قفیز عراقی بارہ صاع کا ہوتا تھا؛ بحر میں ہے:

قال الأزهري رحمه الله تعالى: الكرستون قفيزا، والقفيز ثمانية مكاكيك، والمكوك صاع ونصف (البحر الرائق: باب السلم)

”ازہریؒ فرماتے ہیں کہ کر ساٹھ قفیز کا، قفیز آٹھ مکوک کا، اور مکوک ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے“۔

اس عبارت میں قفیز عراقی کو بیان کیا گیا ہے؛ جس کا حاصل یہ ہے کہ قفیز عراقی، مکوک عراقی سے آٹھ مکوک اور صاع سے بارہ صاع کا ہوتا تھا؛ پس جب مکوک عراقی کے وزن کو آٹھ سے یا صاع کے وزن کو بارہ سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ وہی ہوگا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

قفیز ہاشمی قدیم: قفیز کی ایک قسم: قفیز ہاشمی ہے، وہ قدیم زمانے میں چار صاع کا ہوتا تھا، صاع کے بیان میں ہم امام ابو یوسفؒ کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ:

والمختوم الهاشمي الاوّل إثنان وثلاثون رطلا

"مختوم ہاشمی قدیم ۳۲ رطل (چار صاع) کا ہوتا تھا"۔

پھر حضور ﷺ کے زمانے میں جو قفیز شرعی طور پر متعارف ہوا وہ صرف ایک صاع کا تھا، اسی کو حضرت عمرؓ نے رائج کیا اور حجاج نے بھی کافی تفتیش و تلاش کے بعد اپنے زمانے میں اسے ہی شرکاری طور پر نافذ کیا؛ اس لیے اس قفیز کو قفیز عمری، قفیز حجاجی اور صاع حجاجی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ یہ دراصل قفیز نبوی اور صاع نبوی ہے؛ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

إن القفيز الهاشمي صاع واحد، وهو القفيز الذي ورد عن عمر بن الخطاب، ... وهو صاع رسول الله ﷺ وينسب إلى الحجاج، فيقال صاع حجاجي، لأن الحجاج أخرجه بعد ما فقد

(ردالمحتار: ٦: ٣٠٤)

"قفیز ہاشمی ایک صاع ہوتا ہے، اور یہ وہی قفیز ہے جو حضرت عمرؓ سے منقول ہے، یہی صاع نبوی بھی ہے جو حجاج کی طرف منسوب ہو کر صاع حجاجی کہلاتا ہے؛ کیونکہ مفقود ہو جانے کے بعد حجاج ہی نے اسے اجاگر کیا تھا"۔

اس قفیز عمری کو "ربع ہاشمی" بھی کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ قفیز ہاشمی قدیم کا چوتھائی ہوتا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ قفیز ہاشمی دو طرح کا تھا، ایک قدیم دوسرا جدید، تو یہیں سے ہدایہ اور فتح القدیر کی عبارتوں کا تعارض بھی حل ہو جاتا ہے؛ صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

قفيز هاشمي، وهو الصاع

"قفیز ہاشمی جو ایک صاع کا ہوتا ہے"۔

اسی عبارت کے ذیل میں علامہ ابن ہمامؒ نے یوں لکھا ہے:

والقفيز قيز الحجاج، وهو ربع الهاشمي (فتح: ۱۳۶)

"قفیز سے قفیز حجاجی مراد ہے، جو قفیز ہاشمی کا چوتھائی ہوتا ہے"۔

صاحب ھدایہ یہ فرمارہے ہیں کہ قفیز ہاشمی ایک صاع کے مساوی ہوتا ہے۔ اور ابن ہمامؒ فرمارہے ہیں کہ قفیز حجاجی: قفیز ہاشمی کا چوتھائی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے دونوں میں تعارض ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ فتح القدیر کی عبارت میں قفیز ہاشمی قدیم مراد ہے، جو چار صاع کا ہوتا تھا، ظاہر ہے قفیز حجاجی اس کا چوتھائی ہوتا ہے۔ اور ہدایہ کی عبارت میں قفیز ہاشمی جدید مراد ہے، جو ایک صاع کے مساوی ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین پر جو ایک جریب پر ایک قفیز گندم اور ایک درہم خراج لگایا تھا؛ اس میں یہی قفیز ہاشمی جدید مراد ہے، جو ایک صاع کا ہوتا تھا (**ردالمحتار: ۳۰۴۶**)۔

العَرَق

عرق: (۳۰ صاع) چورانوے کلو، چار سو اٹھہتر گرام، چار سو ملی گرام

عرق: عین، را کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ عرق کھجور کی قمچیوں سے بنی ہوئی ٹوکری ہوتی ہے۔ اس کی مقدار کیا ہوتی ہے اس میں کافی اختلاف ہے؛ دراصل اس کو سمجھنے سے قبل کفارہ ظہار کی بابت ائمہ کرام کا مسلک سمجھ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اتنی بات پر توسب کا اتفاق ہے کہ کفارہ ظہار میں ساٹھ مسکینوں کو صدقہ دینا ضروری ہے؛ مگر صدقہ کی مقدار کیا ہوگی؟ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر مسکین کو ایک مد گندم یا کھجور دینا کافی ہے۔ اس حساب سے مجموعی مقدار ساٹھ مد؛ یعنی پندرہ صاع ہوگی۔ وہ سنن ابوداؤد کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ:

فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ-صلى الله عليه وسلم- بِتَمْرٍ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنْ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا

(ابوداؤد: ۳۰۲۱ باب في الظهار)

"رسول اکرم ﷺ کے پاس پندرہ صاع کے لگ بھگ کھجور آیا، جو اس مظاہر کو دے دیا گیا"

ابوداؤد ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ فَأُتِيَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ قَدْرُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا (ابوداؤد: ۱؍۳۲۵، باب الصیام)

"ابو سلمہؒ بن عبد الرحمن حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی قصہ کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک عرق لایا گیا جس میں پندرہ صاع کھجور تھے"۔

انہیں جیسی روایات کی بنا پر مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ عرق پندرہ صاع کا ہوتا ہے اور کفارہ ظہار میں ہر مسکین کو ایک مد؛ یعنی کل پندرہ صاع دینا کافی ہے (عمدۃ القاری: ۸؍۱۰۹، ط: زکریا)

یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اسی قصہ میں: فأتي بعرق فيه عشرون صاعا (اس عرق میں بیس صاع کھجور تھا) مروی ہے (ابوداؤد: ۱؍۳۲۶، باب کفارۃ من أتى أهله في رمضان)۔ اور منصور بن معتمرؒ کی روایت میں ہے:

فأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكتل فيه خمسة عشر أو عشرون صاعا من تمر

(صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث: ۱۹۵۰)

ان اضطرابات کو یاد رکھنا چاہیے، آئندہ اس پر گفتگو کی جائے گی۔

حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ کھجور یا جو ہر مسکین کو نصف صاع اور گندم ایک مد دینا لازم ہے؛ کیونکہ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بنو بیاضہ قبیلہ کی ایک خاتون نصف وسق (۳۰ صاع) جو لے کر آئیں تو حضور ﷺ نے "مظاہر" کو دے کر فرمایا: أطعم هذا، فإن مدي شعير مكان مد بر (یہ مسکینوں کو کھلادو؛ کیونکہ دو مد جو ایک مد گندم کے برابر ہے)۔ (مغنی: ۶؍۱۱۷)

حنابلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عرق پندرہ صاع کا ہوتا ہے، مگر اس قصہ مظاہر کو دو عرق کھجور دیا گیا ہے تاکہ اپنے کفارہ میں صدقہ کرے، اس طرح مجموعہ تیس صاع کھجور ہوا۔ (دیکھیے: شرح کبیر: ۸؍۶۱۷)

حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر ہو یا کفارہ رمضان یا کفارہ ظہار؛ ہر جگہ ایک مسکین کو ایک صاع جو یا کھجور اور نصف صاع گندم دینا ہوگا؛ اس طرح ساٹھ مسکینوں کا صدقہ ساٹھ صاع جو یا کھجور ہو جائے گا۔ حنفیہ کا

استدلال حضرت سلمہ بن صخر بیاضیؓ کے قصہ سے ہے، جو کفارہ ظہار سے متعلق ہے (یہ واقعہ رمضان کی رات میں پیش آیا) اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

فأطعم وسقا من تمر بين ستين (ابو داؤد: ۱؍۳۰۲ باب في الظهار)

"ایک وسق کھجور ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو"۔

اور ظاہر ہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ نیز ابو داؤد شریف میں حضرت اوس بن صامتؓ کے ظہار کے قصہ میں دو طرح کی روایات منقول ہیں؛ ایک میں ہے: العرق ستون صاعاً (عرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) دوسری میں ہے: **والعرق مكتل يسع ثلاثين صاعاً** (عرق ایک ٹوکرا ہے، جس میں تیس صاع آتا ہے) امام ابو داؤد (۱؍۳۰۲) فرماتے ہیں: **وهذا أصح** (تیس صاع والا قول اصح ہے)۔ حنفیہ بھی یہ کہتے ہیں کہ عرق کا تیس صاع ہونا ہی راجح ہے؛ لیکن مسلم کی روایت میں کفارہ رمضان کے قصہ میں ہے کہ دو عرق طعام (جو) لایا گیا تھا:

فَجَاءَهُ عَرَقَانِ، فِيهِمَا طَعَامٌ، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهِ

(مسلم: ۱؍۳۵۴ الصوم، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان)

"تبھی دو عرق غلہ (جو) لایا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا صدقہ کر دو"۔

اسی طرح حضرت اوسؓ بن صامت کا قصہ جو کفارہ ظہار کا ہے، اس میں بھی یہی بات ہے کہ دو عرق کھجور لایا گیا تھا؛ ایک عرق کوئی اور لایا تھا، اور خود حضرت اوسؓ کی زوجہ حضرت خولہؓ نے مزید ایک عرق سے امداد کیا تھا، اس طرح مجموعہ ساٹھ صاع کھجور ہو گیا، جو کفارہ میں مطلوب تھا:

فأتي ساعتئذ بعرق من تمر قلت يا رسول الله فإني أعينه بعرق آخر قال قد أحسنت اذهبي فأطعمي بها عنه ستين مسكينا وارجعي إلى ابن عمك قال والعرق ستون صاعا

(ابو داؤد: ۱؍۳۰۲ طلاق، باب في الظهار)

"اسی وقت ایک عرق کھجور لایا گیا، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں بھی ایک عرق سے مدد کرتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا کیا، جاؤ اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو، اور اپنے چچازاد بھائی کی پاس لوٹ جاؤ۔ راوی کہتا ہے کہ (مجموعہ دو) عرق ساٹھ صاع ہو گیا تھا"۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ عرق تیس صاع کا ہوتا ہے، اور کفارہ ظہار میں دو عرق؛ یعنی ایک وسق؛ یعنی ساٹھ صاع کھجور واجب ہے۔

اب جن روایات میں دو عرق کی جگہ ایک وسق کہا گیا ہے، وہ بھی درست ہے؛ کیونکہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ او جس روایت میں جو عرق کو ساٹھ صاع کہہ دیا گیا ہے، یا تو وہ روایت صحیح نہیں؛ جیسا کہ امام ابو داؤد وغیرہ کا خیال ہے، یا اس میں مجموعی دو عرق کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور ابن قدامہ نے مسند احمد کے حوالہ سے جو روایت پیش کی ہے کہ خاتون نصف وسق جو لائی تھیں، اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ نصف وسق کوئی اور لایا تھا جس کا تذکرہ راوی نے چھوڑ دیا ہے۔

اب رہی بات ان روایات کی جن میں عرق کو پندرہ صاع کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں عرق کو پندرہ صاع کہا گیا ہے، دوسری میں بیس صاع، تیسری میں تیس صاع اور چوتھی میں ساٹھ صاع۔ ان میں راجح یہی ہے کہ عرق تیس صاع ہوتا ہے؛ جیسا کہ ہم ابو داؤدؒ سے نقل کر چکے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے کوئی شخص صرف پندرہ صاع ہی لایا ہو گا، جس کو راوی نے بیان کیا، اور بعد میں جو غلہ لایا گیا اس کا تذکرہ چھوڑ دیا۔ گویا عرق تو ٹوکرا ہے، جس میں تیس صاع آتا ہے، مگر اس میں فقط پندرہ صاع غلہ تھا؛ پس راوی نے کبھی تو یہ کہہ دیا کہ پندرہ صاع غلہ لایا گیا؛ جیسا کہ ابھی گذرا، اور کبھی یہ کہہ دیا کہ **العرق خمسة عشر صاعاً** اور یہ روایت بالمعنی ہے، اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ عرق میں پندرہ صاع غلہ تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ راجح قول کے مطابق عرق تیس صاع کا ہوتا ہے، حنفیہ میں سے مطرزیؒ نے یہی لکھا ہے (المغرب: مادہ عرق)۔ پس صاع کے وزن کو تیس سے ضرب دیں گے تو مجموعہ وہی ہو گا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔ یہ بحث بہت دقیق ہے، نہایت توجہ سے پڑھنا چاہیے۔

الوَسْق

وسق (ساٹھ صاع): ایک سو اٹھاسی کلو، نو سو چھپن گرام، آٹھ سو ملی گرام

وسق: دو سو اڑھائی سیر ؛یعنی: پانچ من اڑھائی سیر

اس کی تفصیل یہ ہے کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے؛ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

الوسق ستون صاعا بالاجماع نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره

"وسق بالاجماع ساٹھ صاع کا ہوتا ہے؛ ابن منذر وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے"۔

(المجموع: ۵: ۴۵۸)

صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں بھی اس کی صراحت ہے:

وليس فيما دون خمس أوسق صدقة، والوسق ستون صاعاً" (۸: ۷۶)

"پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں، اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے"۔

اب چونکہ صاع کے وزن میں حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے؛ اس لیے وسق میں بھی اختلاف ہو گا، صاع کا جو وزن حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، اس کو ساٹھ سے ضرب دیں گے تو مجموعہ وہی ہو گا۔ جو اوپر لکھا گیا ہے۔

الكُرُّ

کر (ساٹھ قفیز عراقی): ۲۲۶۷ کلو، ۴۸۱ گرام، ۶۰۰ ملی گرام

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کر (کاف مضموم، راء مشدد) ایک پیمانہ ہے، جو ساٹھ قفیز کا ہوتا ہے، اور قفیز بارہ صاع کا؛ پس کر (۷۲۰) صاع کا ہو گا۔ اور جب صاع کے وزن کو (۷۲۰) سے ضرب دیں گے تو مجموعہ وہی ہو گا، جو اوپر لکھا گیا ہے؛ چنانچہ علامہ شامی البحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں لکھتے ہیں:

(قوله الكر ستون قفيزا إلخ) فيكون القفيز اثنى عشر صاعا ويكون الكر سبعمائة وعشرين صاعا (منحة الخالق: ۶/۲۷۴ باب السلم، ط: زكريا)

"کر ساٹھ قفیز کا ہوتا ہے الخ پس قفیز بارہ صاع کا ہو گا اور کر سات سو بیس صاع کا"

المُدْیُ

مدی (ساڑھے بائیس صاع): ستر کلو، اَٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام

مدی (بضم میم وسکون دال بروزن قفل) ایک بڑا پیمانہ ہے، جو شام اور مصر میں قبل اسلام ہی سے رائج تھا، حضرت عبادہؓ بن صامت نے ملک شام میں ایک خطبہ دیا تو ربا کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''ألا، وإن التمر بالتمر مدیا بمدی'' (سن لو! کھجور کھجور کے بدلے ایک مدی کا ایک مدی ہونا لازم ہے) یعنی کمی بیشی جائز نہیں۔ بعض طرق میں مدی کی جگہ مد ہو گیا ہے، جو روایتاً صحیح نہیں؛ علامہ مطرزیؒ لکھتے ہیں:

مدین بمدین خطأ، وإنما الصواب مدی، وهو مكيال بالشام يسع خمسة عشر مكوكا، والمكوك صاع ونصف صاع (المغرب، مادہ: مدی)

''مدی ملک شام کا ایک پیمانہ ہے، جو پندرہ مکوک کا ہوتا ہے اور مکوک ڈیڑھ صاع کا''

ابن الاثیر نے بھی النہایہ (حرف المیم، باب المیم مع الدال) میں یہی لکھا ہے؛ اس طرح مدی: ساڑھے بائیس صاع کا ہوتا ہے۔ اور صاع کے وزن کو ساڑھے بائیس سے ضرب دینے سے وہی وزن آتا ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

علامہ فیومیؒ نے صرف انیس صاع لکھا ہے، گویا یہ بھی ایک قول ہے:

و (المُدْیُ) وزان قفل مكيال يسع تسعة عشر صاعا وهو غير المُدّ (مصباح منیر: مادہ: مدی)

شافعی پیمانے

القِرْبَة

قربہ (سو رطل عراقی) اٹھائیس کلو، تین سو تینتالیس گرام، پانچ سو بیس ملی گرام

قربہ بڑا مشکیزہ ہوتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک دو قلہ پانی کثیر ہوتا ہے، جو نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ قلہ پانچ قربہ کا، اور قربہ سو رطل عراقی کا ہوتا ہے؛ چنانچہ اَسنی المطالب (۱؍۶۳) میں ہے:

فتكون القلتان خمس قرب، والغالب أن القربة لا تزيد على مائة رطل بالبغدادي، فالمجموع به خمسمائة رطل تقريبا (أسنى المطالب: ۱/۶۳)

''دو قلہ پانچ قربہ کا ہوتا ہے، اور اکثر قربہ سو رطل عراقی سے زیادہ نہیں ہوتا؛ لہٰذا دو قلہ تقریباً پانچ سو رطل ہوا''۔

اور جب رطل کے وزن کو سو سے ضرب دیں گے تو قربہ (سو رطل): انتالیس کلو، تین سو چھیاسٹھ گرام (۳۹ کلو، ۳۶۶ گرام) کا ہوگا؛ اور یہی مولانا ابو الکلام صاحب دامت برکاتہم نے لکھا بھی ہے، جس پر بظاہر کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ قربہ اور قلہ سے شافعیہ نے بحث کی ہے، انہوں نے ہی اس کو سو رطل بتلایا ہے؛ اس لئے رطل شافعی کا ہی وزن لیا جائے گا، رطل حنفی کا نہیں، اور مولانا ابو الکلام صاحب نے حساب کیا ہے رطل حنفی سے؛ اس لئے اس کو قربہ کا صحیح وزن نہیں کہہ سکتے۔ اور حنفیہ و شافعیہ دونوں کے نزدیک اگرچہ رطل نوے دینار کا ہے، مگر شافعیہ کا دینار چھوٹا ہے؛ اس لئے رطل بھی چھوٹا ہے؛ یعنی صرف: ۲۸۳ گرام، ۴۳۵ ملی گرام، ۲۰۰ میکرو گرام، جس کی وجہ رطل کے بیان میں لکھی جا چکی۔ اب رطل کے اس وزن کو سو سے ضرب دیجئے تو قربہ کا وزن بر آمد ہوگا؛ یعنی: اٹھائیس کلو، تین سو تینتالیس گرام، پانچ سو بیس ملی گرام (۲۸ کلو، ۳۴۳ گرام، ۵۲۰ ملی گرام) اور اوپر اس ناکارہ نے یہی لکھا ہے۔

القُلّہ

قلہ (دو سو پچاس رطل) ستر کلو، آٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام

قلہ بہت بڑا مٹکہ ہوتا ہے۔ قربہ کے بیان میں ابھی معلوم ہو چکا کہ دو قلہ پانچ قربہ کے مساوی ہے، اور رطل سے پانچ سو رطل کے مساوی ہے؛ لہٰذا ایک قلہ اڑھائی قربہ اور رطل سے دو سو پچاس رطل کے مساوی ہوگا۔ اب رطل حنفی کے وزن کو دو سو پچاس سے ضرب دیں یا قربہ کے وزن کو اڑھائی سے، تو ایک قلہ کا وزن ہوگا: اٹھانوے کلو، چار سو پندرہ گرام (۹۸ کلو، ۴۱۵ گرام)۔ اور مولانا ابو الکلام صاحب نے بھی یہی لکھا ہے، مگر قربہ کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ قلہ اور قربہ کو شافعی رطل سے وزن کرنا ضروری ہے۔

اور رطل شافعی سے دو قلہ: ایک سو اکتالیس کلو، سات سو سترہ گرام، چھ سو ملی گرام (۱۴۱ کلو، ۷۱۷ گرام، ۶۰۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔ اور ایک قلہ: ستر کلو، آٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام (۷۰ کلو، ۸۵۸ گرام، ۸۰۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔

القَدَح

قدح مصری: ۸۰۹ گرام، ۸۱۳ ملی گرام، ۸۶۷ میکرو گرام (تقریباً)

قدح تو لغت میں پانی کے ایک بڑے پیالہ کو کہتے ہیں، لیکن قدح ایک مصری پیمانہ بھی ہے، جس کا تذکرہ شافعیہ کے یہاں ملتا ہے؛ چنانچہ خطیب شربینی نے مغنی المحتاج میں لکھا ہے:

فَقَدْ اعْتَبَرْتُ الْقَدَحَ الْمِصْرِيَّ بِالْمُدِّ الَّذِي حَرَّرْتُهُ فَوَسِعَ مُدَّيْنِ وَسُبْعًا تَقْرِيبًا فَالصَّاعُ قَدَحَانِ إِلَّا سُبْعَيْ مُدٍّ وَكُلُّ خَمْسَةَ عَشَرَ مُدًّا سَبْعَةُ أَقْدَاحٍ (۴۴۲/۱)

"میں نے قدح مصری کو اسی مد سے ناپا جس کا ابھی خلاصہ ہوا، تو تقریباً دو مد اور مد کا ساتواں حصہ ہوا، لہذا صاع دو سبع مد کم دو قدح ہوگا، اور پندرہ مد کے سات قدح ہوں گے"۔

علامہ شربینیؒ شافعی ہیں، انہوں نے قدح کو اپنے مد شافعی سے ناپا ہے، اور مد شافعی مد حنفی سے بہت چھوٹا ہوتا ہے، یعنی: ۷۷۳ گرام، ۹۱۳ ملی گرام، ۱۰۰ میکرو گرام کا۔ اور مولانا ابو الکلام صاحب نے مد حنفی سے جوڑ گھٹاؤ کیا ہے؛ اس لئے مولانا کا حساب یہاں قابل اعتبار نہیں۔ صحیح وزن وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

الوَيْبَة

اس کا تذکرہ بھی شافعیہ کے یہاں ہی ملتا ہے؛ صاحب تحفۃ المحتاج لکھتے ہیں:

فثلاثون صاعا ثلاث ويبات ونصف (تحفة المحتاج، باب زكوة النبات)

"تیس صاع کا ساڑھے تین ویبہ ہوتا ہے"۔

یعنی صاع سے تقریباً ساڑھے آٹھ صاع کا اور مد سے تقریباً چونتیس مد کا۔ چونکہ ویبہ قدح اور اردب ہی کی طرح خالص مصری پیمانہ ہے، اور مصر کے شافعی و مالکی علماء نے ہی اس کو ناپا تولا ہے؛ لہذا ائمہ ثلاثہ کے صاع و مد سے ہی اس کا وزن لیا جائے گا، اور صاع کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا صاع: ایک کلو، پانچ

سو گیارہ گرام، چھ سو باون ملی گرام، چار سو میکرو گرام کا ہے؛لہٰذا صاع کے وزن کو ۳۰ سے ضرب دے کر، ساڑھے تین سے تقسیم کریں گے تو ویبہ کا وزن نکلے گا؛یعنی: بارہ(۱۲) کلو، نو سو ستاون (۹۵۷) گرام، بیس (۲۰) ملی گرام، پانچ سو اکہتر (۵۷۱) میکرو گرام۔

صاحب قاموس نے اس کو بائیس یا چوبیس مد لکھا ہے اور مولانا ابو الکلام صاحب نے اسی کو گرام میں تبدیل کیا ہے۔ چلیے یہ بھی ایک قول ہے؛اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ قابل اشکال بات یہ ہے کہ مولانا نے اس کا وزن حنفی صاع اور مد سے لیا ہے۔

الإرْدَبُّ

اردب (الف مکسور، راء ساکن، دال مفتوح، با مشدد) ایک بڑا پیمانہ ہے، جس میں بقول ابن منظور افریقیؒ چوبیس صاع غلہ سماتا ہے، اس کا استعمال اہل مصر کرتے تھے:

الإردب مكيال معروف لأهل مصر. يقال: إنه يأخذ أربعة وعشرين صاعاً من الطعام

(لسان العرب، مادة: ردب)

''اردب ایک مشہور مصری پیمانہ ہے، کہا جاتا ہے کہ اس میں چوبیس صاع غلہ آتا ہے''۔

لیکن خطیب شربینی شافعیؒ لکھتے ہیں:

فثلاثون صاعا ثلاث ويبات ونصف، فثلاثمائة صاع خمسة وثلاثون ويبة. وهي خمسة أرادب ونصف وثلث (تحفة المحتاج)

''تیس صاع کا ساڑھے تین ویبہ ہوتا ہے، تو تین سو صاع پینتیس ویبہ ہو گا، اور یہ ساڑھے پانچ اردب اور تہائی اردب ہو گا''۔

اور جب ساڑھے پانچ اور تہائی سے تین سو کو تقسیم کریں گے، تو ایک اردب تقریباً ساڑھے اکیاون صاع ہو گا، اور پھر حاصل تقسیم کو شافعی صاع کے وزن سے ضرب دیں گے، تو اردب کا وزن نکلے گا: ۷۷ کلو، ۷۴۲ گرام، ۱۲۳ ملی گرام، ۴۲۸ میکرو گرام۔ اردب کو شافعی صاع سے وزن کرنے کی وجہ ویبہ کے بیان میں لکھا جا چکا ہے۔

باب سوم

مساحت کا بیان

الذِراع

ذراع کرباس: (نصف گز): چار سو ستاون (۴۵۷) ملی میٹر، دو سو میکرو میٹر

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ذراع کرباس انگریزی گز سے نصف گز، انچ سے اٹھارہ (۱۸) انچ، فٹ سے ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے (جواہر الفقہ)

دراصل فقہ کی کتابوں میں دو قسم کے ذراع کا تذکرہ ملتا ہے؛ ذراع مساحت، ذراع کرباس۔ کسری کے زمانے میں جو ذراع زمین کی پیمائش کے لئے رائج تھا، وہ سات مٹھی کا تھا، جس پر انگوٹھا کھڑا ہوا کرتا تھا، اس کو ذراع مساحت اور ذراع کسری کہا جاتا ہے۔ یہ چھتیس (۳۶) انگل ہوتا تھا بعد میں جو ذراع رائج ہوا، وہ چھ مٹھی کا تھا، جس پر انگوٹھا کھڑا نہیں ہوتا تھا، یہ ذراع کرباس اور ذراع مکسرہ کہلاتا ہے، یہ چوبیس انگل کا ہوتا ہے؛

علامہ شامیؒ علامہ خیر الدین رملیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

والميل ألف باع والباع أربعة أذرع والذراع أربعة وعشرون أصبعا

(منحة الخالق على البحر: ۲۴۴/۱ باب التيمم)

"میل ایک ہزار باع کا، باع چار ذراع کا اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے"۔

دہ دردہ کی پیمائش، سترہ کی مقدار، مسافت سفر کی تعیین وغیرہ میں ذراع کرباس کا ہی اعتبار ہے؛ مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عرب اور فقہاء کی سادگی کا بھی یہی مقتضاء ہے کہ ان کے کلام میں ذراع سے یہی مراد ہو؛ کیونکہ وہ طبعی ذراع (ایک ہاتھ) کی صحیح مقدار ہے، اور یہ ذراع انگریزی گز کا نصف ہے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ البتہ ذراع مساحت انگریزی گز سے: ایک گز چھ انچ، فٹ سے ساڑھے تین فٹ، انچ سے بیالیس انچ ہے۔ اور میٹر سے: ایک میٹر، ۶۶ ملی میٹر، ۸۰۰ میکرو میٹر۔ آئندہ جہاں بھی مطلق ذراع آیا ہے، اس سے ذراع کرباس ہی مراد ہے، ذراع مساحت نہیں۔

ایک بات یادرکھیں کہ مالکیہ کے نزدیک اصح قول کے مطابق ذراع چھتیس انگل کا ہوتا ہے؛یعنی: چھ سو پچاسی ملی میٹر، آٹھ سو میکرو میٹر۔ (شرح کبیر: ۱؍ ۳۵۸، فواکہ دوانی: ۲؍۶۱۳)

الشبر

شبر (نوانچ): دو سو اٹھائیس (۲۲۸) ملی میٹر، چھ سو میکرو میٹر

شبر کے معنی ہیں بالشت، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ ذراع تقریباً دو بالشت کا ہوتا ہے:

وهو قريب من ذراع اليد؛ لأنه ست قبضات، وشيئ، وذالك شبران

”ذراع کرباس ایک ہاتھ کے لگ بھگ ہوتا ہے؛ کیونکہ ہاتھ چھ مٹھی سے کچھ زائد ہوتا ہے، نیز ہاتھ دو بالشت ہوتا ہے“۔ (ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب المياه)

علامہ شامیؒ نے یہ تقریبی وزن بیان فرمایا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ایک بالشت چھ انچ کا ہوتا ہے۔ اور چھ انچ کو میٹروں میں تبدیل کریں تو مجموعہ وہی ہوتا ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

الباع

باع: (دو گز انگریزی): ایک میٹر، آٹھ سو اٹھائیس (۸۲۸) ملی میٹر، آٹھ سو میکرو میٹر

باع: انچ سے بہتر (۷۲) انچ، فٹ سے چھ فٹ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی جب دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلاتا ہے، تو ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے، اس کو باع کہتے ہیں۔ ذراع کے بیان میں معلوم ہوا کہ چار ذراع کرباس کا ایک باع ہوتا ہے:

والميل ألف باع والباع أربعة أذرع والذراع أربعة وعشرون أصبعا

(منحة الخالق: ۱؍۲۴۳، باب التيمم)

”میل ایک ہزار باع کا، باع چار ذراع کا اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے“۔

ذراع کرباس کے میٹروں کو چار سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ وہی ہوگا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

القَدَم

قدم (نصف ذراع): دو سو اٹھائیس ملی میٹر، چھ سو میکرو میٹر۔ قدم: انچ سے نو انچ

پیر کا جو حصہ چلتے ہوئے زمین سے لگتا ہے؛ یعنی: انگوٹھے سے ایڑی تک کا حصہ، اس کو قدم کہتے ہیں، قدم نصف ذراع کرباس کا ہوتا ہے؛ چنانچہ تحفہ المحتاج، مغنی المحتاج اور حاشیہ بجیرمی سب میں اس کی صراحت موجود ہے:

قوله: (الخطوة ثلاثة أقدام) والقدم نصف ذراع، فالخطوة ذراع ونصف (حاشية البجيرمي، صلاة المسافر) قال في شرح العباب والقدم نصف ذراع (تحفة المحتاج، فصل في شروط القصر) والخطوة ثلاثة أقدام. والقدمان: ذراع (مغني المحتاج، باب شروط القصر)

ذراع کرباس کے میٹروں کو دو سے تقسیم کریں گے تو وہی حاصل ہوگا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔

الخُطْوَة

خطوہ: چھ سو پچاسی ملی میٹر، آٹھ سو میکرو میٹر۔ خطوہ: انچ سے ستائیس (۲۷) انچ

آدمی قدم اٹھاتے ہوئے دونوں پاؤں آگے پیچھے رکھتا ہے، تو اس قدم اٹھا کر رکھنے کو خَطوۃ (خا پر زبر) کہتے ہیں، اور اگلے پیر کی انگلی سے پچھلے پیر کی ایڑی تک کے فاصلہ کو خُطوۃ (خا پر پیش) کہتے ہیں؛ مساحت کے باب میں یہی فاصلہ مراد ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ فاصلہ تین قدم کا ہوتا ہے؛

صاحب تحفۃ المحتاج لکھتے ہیں:

والخطوة ثلاثة أقدام (تحفة المحتاج، فصل في شروط القصر)

"خطوہ تین قدم کا ہوتا ہے"۔

مغنی المحتاج اور حاشیہ بجیرمی میں بھی یہی لکھا ہے، قدم کے بیان میں ان کی عبارتیں مذکور ہو چکی ہیں۔ پس جب قدم کی پیمائش کو تین سے ضرب دیں گے تو مجموعہ وہی ہوگا، جو اوپر لکھا گیا ہے۔ واضح رہے کہ بحر میں ینابیع کے حوالے سے جو میل شرعی کو چار ہزار خطوۃ لکھا ہے؛ علامہ رملیؒ، پھر علامہ شامیؒ نیز مفتی محمد شفیع

اور مولانا لکھنویؒ نے وضاحت کر دیا ہے کہ وہ مفتی بہ قول نہیں؛ چنانچہ میل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی؛ اس لئے جن حضرات نے ینابیع کے قول پر اپنے حساب کا مدار رکھا ہے اور میل شرعی کی پیمائش کو چار ہزار سے ضرب دے کر خطوہ کا حساب نکالا ہے، وہ قابل اعتبار نہیں۔

الاصبع

اصبع: انیس (۱۹) ملی میٹر، پچاس (۵۰) میکرو میٹر

اصبع انگلی کو کہتے ہیں؛ مساحت میں انگلی کی چوڑائی مراد ہوتی ہے، ذراع کرباس چوبیس انگل ہوتا ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا؛ لہذا ذراع کرباس کے میٹروں کو چوبیس سے تقسیم کریں گے، تو انگلی کی چوڑائی معلوم ہوگی؛ یعنی: انیس ملی میٹر، پچاس میکرو میٹر، اور یہی اوپر لکھا گیا ہے۔

الشَّعِیرۃ

شعیرہ: تین ملی میٹر، ایک سو پچھتر (۱۷۵) میکرو میٹر

شعیرہ جو کے دانے کو کہتے ہیں، پیمائشوں میں جو کا طول نہیں، اس کی چوڑائی مراد ہوتی ہے۔ اور معلوم ہو چکا کہ چھ جو کا ایک انگل ہوتا ہے؛ لہذا انگل کے میٹروں کو چھ سے تقسیم کریں گے تو جو کی چوڑائی معلوم ہوگی؛ یعنی: تین ملی میٹر، ایک سو پچھتر (۱۷۵) میکرو میٹر۔

الشَّعْرَۃ

شعرہ (برذون کا بال) تقریباً: پانچ سو انیتس (۵۲۹) میکرو میٹر

شعرہ کے معنی ہیں: بال، شرعی پیمائشوں میں جو شعرہ کا تذکرہ آتا ہے، اس سے برذون (ترکی نسل کے گھوڑے) کے بال مراد ہوتے ہیں؛ جیسا کہ علامہ شہاب ابن الہائمؒ، علامہ رملیؒ اور شامی رحمہم اللہ نے لکھا ہے، ان کی عبارتیں برید کے بیان میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہو چکا کہ چھ بال جو کے ایک دانہ کے مساوی ہوتے ہیں؛ لہذا جو کے میٹروں کو چھ سے تقسیم کرنے سے ایک بال کی چوڑائی معلوم ہوگی؛ یعنی: تقریباً پانچ سو انیتس میکرو میٹر۔

القُبضَۃ

قبضہ (چار انگل): چھہتر (٧٦) ملی میٹر، دو سو (٢٠٠) میکرو میٹر

قبضہ مٹھی کو کہتے ہیں، مساحت میں مٹھی کی چوڑائی مراد ہوتی ہے، چوڑائی میں قبضہ چار انگل کا ہوتا ہے، جبکہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں؛ چنانچہ علامہ شامیؒ نوح آفندیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

والمراد بالقبضة أربع أصابع مضمومة. نوح (شامي: ۱/۳۴۷ باب المياه)

"قبضہ سے چار ملی ہوئی انگلیاں مراد ہیں، نوح آفندی نے ایسا ہی لکھا ہے"۔

لہٰذا انگلیوں کے میٹروں کو چار سے ضرب دیں گے تو مٹھی کا حساب معلوم ہوگا؛ یعنی: چھہتر ملی میٹر، دو سو میکرو میٹر۔ اور اوپر یہی لکھا گیا ہے۔ طبع اول میں حساب غلط درج ہوا ہے۔

الغَلوَۃ

غلوۃ (چار سو ذراع کرباس): ایک سو بیاسی (١٨٢) میٹر، آٹھ سو اسی (٨٨٠) ملی میٹر

تیر پھینکنے پر جہاں گرتا ہے، اتنی دوری کو لغت میں غلوۃ (بروزن: جلوہ) کہتے ہیں، مغرب میں ہے: **الغلوة مقدار رمية**۔ تبیین الحقائق میں بھی فقط اتنا ہی لکھا ہے، لیکن دیگر حضرات نے غلوہ کی مقدار بتانے کی کوشش کی ہے، درر، کافی، سراج اور مبتغی میں لکھا ہے کہ تین سو سے چار سو ذراع تک کو غلوۃ کہتے ہیں؛ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے:

قوله (ثلاثمائة ذراع) أي إلى أربعمائة درر و كافي وسراج ومبتغي

(ردالمحتار: ۱/۳۹۶ باب التيمم)

اجناس میں ابن شجاعؒ سے ایسا ہی منقول ہے؛ علامہ ناصر الدین مطرزیؒ لکھتے ہیں:

وفي الأجناس عن ابن شجاع في خراجه الغلوة قدر ثلثمائة ذراع إلى أربعمائة والميل ثلاثة آلاف ذراع إلى أربعة آلاف (المغرب، مادة غلوة)

"اجناس میں ابن شجاعؒ سے منقول ہے کہ تین سو سے چار سو ذراع تک کو غلوۃ کہتے ہیں، اور تین ہزار سے چار ہزار ذراع تک کو میل کہتے ہیں"۔

شافعیہ کے یہاں بھی یہی بات ملتی ہے:

ویقال هی قدر ثلاثمائة ذراع إلی أربعمائة اهـ برماوی.

(حاشية الجمل، باب التيمم)

صاحب در مختار نے جزماً صرف تین ہزار ذراع کہا ہے:

(قدر غلوة) ثلاثمائة ذراع (در مختار مع الرد: ۱/۴۱۴ تیمم)

اور ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالہ سے جزماً فقط چار سو ذراع لکھا ہے (باب التیمم)۔ اور احتیاط ظہیریہ کے قول میں ہے (لان الاحتیاط فی باب العبادات واجب)؛ اسی لئے فتاوی ہندیہ کے مرتبین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور اوپر اسی قول کو میٹروں میں تبدیل کیا گیا ہے۔ چونکہ احسن الفتاوی (۴/۳۷ باب صلاۃ المسافر) میں تین سو ذراع والا قول لیا گیا ہے؛ اس لیے غلوہ کو ایک سو سینتیس (۱۳۷) میٹر، ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ملی میٹر کے مساوی لکھا ہے۔

المیل

میل شرعی حنفی (چار ہزار ذراع): ۱ کلو میٹر، ۸۲۸، میٹر، ۸۰۰ ملی میٹر

میل شافعی و حنبلی (چھ ہزار ذراع): دو کلو میٹر، سات سو تینتالیس میٹر، دو سو ملی میٹر

میل مالکی (ساڑھے تین ہزار ذراع، ایک ذراع چھتیس انگل): دو کلو میٹر، چار سو میٹر، تین سو ملی میٹر

اس کی تفصیل یہ ہے کہ میل شرعی کی بات حنفیہ کے یہاں تین اقوال ملتے ہیں:

۱ چار ہزار ذراع، یہی مفتی بہ قول ہے۔

۲ تین ہزار ذراع، یہ قول اول سے مختلف نہیں، جیسا کہ بیان ہو گا۔

۳ چار ہزار خطوہ؛ یعنی: چھ ہزار ذراع۔ یہ شافعیہ کا قول ہے، حنفیہ کے نزدیک قابل اعتماد نہیں۔

کئی کتب میں اس کی صراحت ہے کہ قول اول ہی قابل اعتماد ہے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

قوله (أربعة آلاف ذراع) كذا في الزيلعي والنهر والجوهرة، وقال في الحلية إنه المشهور كما نقله غير واحد منهم السروجي في غايته اهـ. وفي شرح العيني ومسكين والبحر عن

الينابيع أنه أربعة آلاف خطوة، قال الرملي: والأول هو المعول عليه

(ردالمحتار:١/٣٩٦باب التيمم)

”صاحب در مختار کا قول کہ میل چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے؛ زیلعی، نہر اور جوہرہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور (ابن امیر حاج حلبیؒ نے) حلیہ میں لکھا ہے کہ یہی قول مشہور ہے؛ جیسا کہ کئی ایک حضرات نے اس کو نقل کیا ہے؛ انہیں میں سے ایک ابو العباس سروجیؒ بھی ہیں، جنہوں نے غایۃ (شرح ہدایہ) میں اس کو نقل کیا ہے۔ البتہ شرح عینی، ملا مسکین اور بحر میں ینابیع کے حوالہ سے منقول ہے کہ میل چار ہزار خطوہ (چھ ہزار ذراع) کا ہوتا ہے۔ رملیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول ہی معتمد علیہ ہے“۔

علامہ شامیؒ نے بحر کے حاشیہ منحۃ الخالق میں بھی یہی لکھا ہے، ہندیہ میں بھی اسی کو اقرب واصح قرار دیا ہے؛ چونکہ ان سب حضرات نے علامہ زیلعیؒ کے حوالہ سے ہی لکھا ہے؛ اس لیے فخر الدین زیلعیؒ کی عبارت بھی ملاحظہ کرلیں:

وأقرب الأقوال: الميل وهو ثلث فرسخ: أربعة آلاف ذراع بذراع محمد بن الفرج بن الشاشي طولها أربعة وعشرون إصبعا وعرض كل إصبع ست حبات من شعير ملصقة ظهر البطن، والبريد اثنا عشر ميلا ذكره في الصحاح

(تبيين الحقائق:١/١١٨باب التيمم، وهندية،باب التيمم)

”معتبر قول یہ ہے کہ میل تہائی فرسخ؛ یعنی: چار ہزار ذراع کا ہوتا ہے، محمد بن فرج شاشی کے ذراع سے، اور ان کے ذراع کی لمبائی چوبیس انگل ہے، اور ہر انگل چھ جو کے برابر ہے، جبکہ ایک کی پشت دوسرے کے پیٹ سے ملی ہوئی ہو۔ اور برید بارہ میل کا ہوتا ہے، اس کو (جوہری نے) صحاح میں ذکر کیا ہے“۔

مولانا عبد الحی لکھنویؒ نے اپنے فتاوی (٢١٠، باب التیمم، ط: زکریا) میں تو ینابیع کا قول لیا ہے، مگر (ص: ٥۴۴ مسائل متفرقہ) میں تسلیم کرلیا ہے کہ یہ قول معتبر نہیں، معتبر وہی قول ہے جو زیلعیؒ وغیرہ نے لکھا ہے۔

میل شافعی و حنبلی

ہاں بحر میں ینابیع کے حوالہ سے، جو چار ہزار خطوہ لکھا ہے، جس کے چھ ہزار ذراع بنتے ہیں، وہ شافعیہ کا قول ہے؛ چنانچہ مغنی المحتاج میں لکھا ہے:

والميل: أربعة آلاف خطوة، والخطوة ثلاثة أقدام. والقدمان: ذراع، والذراع: أربعة وعشرون أصبعا معترضات (باب شروط القصر)

"میل چار ہزار خطوہ، خطوہ تین قدم، دو قدم ایک ذراع اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے، جو چوڑائی میں ہوں"۔

یہی بات بجیرمی نے اور بھی تفصیل سے لکھی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قوله: (الخطوة ثلاثة أقدام) والقدم نصف ذراع، فالخطوة ذراع ونصف، والذراع أربع وعشرون أصبعا معترضات، فهو أي الميل اثنا عشر ألف قدم، قوله: (والقدمان ذراع) فهو ستة آلاف ذراع

(حاشية البجيرمي على الخطيب، فصل في صلاة المسافر)

"خطوہ تین قدم، اور قدم نصف ذراع ہوتا ہے؛ پس خطوہ ڈیڑھ ذراع ہوگا۔ اور ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے، جو چوڑائی میں ہوں؛ لہذا میل بارہ ہزار قدم ہوگا۔ اور قدم دو ذراع ہوتا ہے؛ لہذا میل چھ ہزار ذراع ہوگا"۔

حنابلہ کے یہاں بھی صحیح قول کے مطابق میل چھ ہزار ذراع کا ہی ہوتا ہے۔

(دیکھئے: الفروع، تصحیح الفروع، باب التیمم)

اب رہا قول ثانی کہ میل تین ہزار ذراع ہوتا ہے؛ تو اس کی بابت مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے اپنے فتاوی (ص:۵۴۴، مسائل متفرقہ) میں اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں یہ وضاحت کی ہے کہ متقدمین کے یہاں ایک ذراع ایسا بھی تھا، جو بتیس (۳۲) انگشت کا تھا، اس قول میں وہی ذراع مراد لیا گیا ہے، اب ظاہر ہے کہ بتیس انگل کے ذراع سے تین ہزار ذراع کی جو مسافت ہوتی ہے، چوبیس انگل کے ذراع سے چار ہزار ذراع کی بھی وہی مسافت ہوتی ہے؛

چنانچہ چار ہزار کو چوبیس سے ضرب دیں یا تین ہزار کو بتیس سے مجموعہ: چھیانوے ہزار ہی ہوتا ہے۔

میل مالکی

مالکیہ کے نزدیک میل ساڑھے تین ہزار ذراع کا ہوتا ہے، لیکن ذراع ان کے یہاں چھتیس (۳۶) انگل کا ہوتا ہے؛ جیسا کہ شرح کبیر للدردیر اور فواکہ دوانی وغیرہ میں مذکور ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ائمہ ثلاثہ کا میل بہر حال میل حنفی سے بڑا ہے؛ پس جن حضرات نے حنفیہ کے اڑتالیس میل اور ائمہ ثلاثہ کے اڑتالیس میل کو مساوی سمجھا ہے، انہوں نے براہ راست ائمہ ثلاثہ کی کتب سے استفادہ نہیں کیا، محض ظن تخمین سے کام لیا ہے۔

احسن الفتاوی کا مطالعہ کرتے وقت اس نکتہ کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

بحری میل

مولانا رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے لکھا ہے کہ بحری میل ۶۷ء۲۰۲۶ گز کا ہوتا ہے (احسن الفتاوی: ۸۶؍۴)۔ اور ایک گز مساوی ہوتا ہے: ۹۱۴ ملی میٹر، ۴۰۰ میکرو میٹر کے؛

لہذا ایک میل بحری مساوی ہوگا: ۱۸۵۳ میٹر ۱۸۷ ملی میٹر ۴۸ میکرو میٹر کے۔

البَرِید

برید (۱۲ میل شرعی): اکیس کلو میٹر، نو سو پینتالیس میٹر، چھ سو ملی میٹر

اس کی تفصیل یہ ہے کہ برید چار فرسخ اور فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے؛

لہذا برید بارہ میل شرعی کا ہوا؛ اس پر سب کا اتفاق ہے؛ چنانچہ فتح القدیر میں لکھا ہے:

إن البريد من الفراسخ أربع ولفرسخ فثلاث أميال ضعوا

(فتح القدير، باب التيمم)

”بیشک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے، اور فرسخ کو تین میل مانو“۔

اور علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں یہی لکھا ہے:

والفرسخ ربع البريد (شامی: ۳۹۶؍۱ باب التيمم)

”فرسخ برید کا چوتھائی (تین میل) ہوتا ہے“

نیز علامہ شامیؒ نے منحۃ الخالق میں علامہ رملیؒ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے:

ورأيت في القلادة الجوهرية ما صورته: قال صاحبنا أبو العباس أحمد شهاب الدين بن الهائم رحمه الله وإليه يرجع في هذا الباب: البريد أربعة فراسخ، والفرسخ ثلاثة أميال

(منحة الخالق على البحر: ۱/۲۴۳ باب التیمم)

"میں (رملی) نے قلادہ جوہریہ میں دیکھاہے، جس کی عبارت یہ ہے کہ ہمارے شیخ ابوالعباس احمد شہاب الدین بن الہائمؒ، جو اس باب میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں،

فرماتے ہیں کہ برید چار فرسخ اور فرسخ تین میل کا ہوتا ہے"۔

اس بات سے ائمہ ثلاثہ بھی اتفاق رکھتے ہیں؛ چنانچہ اسنی المطالب میں لکھا ہے:

فعلم أن البريد أربعة فراسخ، وأن الفرسخ ثلاثة أميال

(فصل السفر الذي تقصر فيه الصلاة)

"پس یہ معلوم ہوا کہ برید چار فرسخ اور فرسخ تین میل کا ہوتا ہے"۔

یہی بات مغنی المحتاج وغیرہ میں بھی ہے (دیکھئے: باب شروط القصر)

فقہاء کی عبارات میں میل سے میل شرعی مراد ہے یا انگریزی

یہاں ایک طالبعلمانہ سوال ہوتا ہے کہ ان عبارتوں سے یہ تو معلوم ہوا کہ برید بارہ میل کا ہوتا ہے؛ مگر یہ کیسے معلوم ہوگا کہ میل شرعی مراد ہے یا میل انگریزی؟ اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ جن فقہاء واصحاب لغت نے برید کو بارہ میل بتلایا ہے، وہ انگریزوں سے بہت پہلے کے ہیں، ان کے زمانے میں انگریزی میل کا نہیں شرعی میل کا رواج تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جہاں برید کو بارہ میل اور فرسخ کو تین میل لکھا ہے، وہیں میل کو چار ہزار ذراع لکھا ہے اور ذراع کو چوبیس انگل لکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ چوبیس انگل کے ذراع سے چار ہزار ذراع کا میل شرعی ہوتا ہے، میل انگریزی نہیں، وہ تو شرعی میل سے بہت چھوٹا ہے؛

چنانچہ علامہ شامیؒ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال الرملي: ... ورأيت في القلادة الجوهرية ما صورته: قال صاحبنا أبو العباس أحمد شهاب الدين بن الهائم رحمه الله، وإليه يرجع في هذا الباب: البريد أربعة فراسخ، والفرسخ ثلاثة أميال، والميل ألف باع، والباع أربعة أذرع، والذراع أربعة وعشرون

أصبعا، والأصبع ست شعيرات مرصوصة بالعرض، والشعير ست شعرات بشعر البرذون اهـ كلامه، وهو موافق لما في الزيلعي... فتحصل من هذا كله أن ما نقله الزيلعي هو المعول، فتأمل اهـ. كلام الرملي ملخصا

(منحة الخالق: ۱؍۲۴۳ باب التیمم)

"علامہ رملیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قلادہ جوہریہ میں اس طرح لکھا دیکھا ہے: ہمارے شیخ ابو العباس محمد شہاب الدین بن الہائمؒ، جو اس باب میں مرجع ہیں، فرماتے ہیں کہ برید چار فرسخ، فرسخ تین میل، میل ہزار باع، باع چار ذراع، ذراع چوبیس انگل اور انگل چھ جو کا ہوتا ہے، جو چوڑائی میں ملے ہوئے ہوں، اور جو ترکی گھوڑے کے چھ بال کے برابر ہوتا ہے۔ ابن الہائمؒ کی بات مکمل ہوئی۔ اور ابن الہائم کی بات زیلعی کے موافق ہے۔۔۔ اور ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ راجح وہی ہے زیلعیؒ نے نقل کیا ہے۔

رملی کی بات مختصراً پوری ہوئی"۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جن اردو رسائل میں برید کو بارہ میل انگریزی لکھا ہے، وہ تسامح ہے، اور جن لوگوں نے اسی پر حساب کرکے چار برید کو اڑتالیس میل انگریزی لکھا اور یہ کہا کہ میل شرعی کی تصریح نہیں ملتی؛ وہ ان کا تساہل اور فن سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

الفَرْسَخ

فرسخ (تین میل شرعی): پانچ کلومیٹر، چار سو چھیاسی میٹر، چار سو ملی میٹر

تفصیل اس کی یہ ہے کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ فرسخ تین میل شرعی ہوتا ہے۔ تین میل تو سب نے لکھا ہے، اور شرعی کی قید اس لئے کہ فرسخ کو تین میل لکھنے والوں نے میل کو چار ہزار ذراع لکھا ہے، اور چار ہزار ذراع کا میل شرعی ہوتا ہے، انگریزی نہیں؛ اس کی تفصیل ابھی برید کے بیان میں گذر چکی۔

عربی عبارتیں اور حوالہ جات وہی ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ فرسخ تین میل شرعی ہوتا ہے، تو میل شرعی کے میٹروں کو تین سے ضرب دینے سے وہی مجموعہ نکلتا ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

المَرْحَلَة

ایک دن میں آدمی یا سواری کا اونٹ متوسط رفتار سے جتنا چل سکتا ہے، اس مسافت کو مرحلہ کہتے ہیں۔
اور دن بھر چلنے سے یہ مراد نہیں کہ چوبیس گھنٹے چلتا رہے، بلکہ صبح سے زوال تک چلنا مراد ہے؛
علامہ حصکفیؒ در مختار باب صلاۃ المسافر میں لکھتے ہیں:

ولا يشترط سفر كل يوم إلى الليل، بل إلى الزوال (درمع الرد: ۲/۱۰۶)

''ہر دن رات تک چلنا ضروری نہیں، بلکہ زوال تک چلنا کافی ہے''۔
مرحلہ کسی خاص مسافت کا نام نہیں، بلکہ ہر علاقے اور ہر زمانے میں اس میں تفاوت ناگزیر ہے؛
کیونکہ میدانی علاقوں میں ایک دن میں جتنی مسافت طئے کی جاسکے گی،
پہاڑی علاقوں میں متوسط رفتار سے اتنا چلنا ممکن نہ ہوگا؛ اسی طرح اسلاف ایک دن میں جتنی مسافت طئے کرلیتے تھے، ہمارے لئے اتنا چلنا ممکن نہیں؛
اسی لئے صحیح بات یہ ہے کہ مرحلہ کی نہ کوئی مقدار متعین کی جاسکتی ہے، نہ کی گئی ہے۔
بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جگہ پڑاؤ کے لائق نہ ہو، تو اور آگے جاکر پڑاؤ کرتے تھے،
اس وجہ سے بھی مرحلہ کی مقدار میں فرق ہوتا رہتا ہے؛ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مکہ سے مدینہ دس مرحلہ پر ہے، اور مسافر تیرہ دن میں اس کو طئے کرتے تھے؛
چنانچہ مشہور مؤرخ اور جغرافیہ دان محمد بن اسحاق یعقوبیؒ کتاب البلدان (۱/۳۴) میں لکھتے ہیں:
''مدینہ سے مکہ تک دس مرحلے ہیں: پہلا ذوالحلیفہ، یہ مدینہ سے چار میل پر ہے،
دوسرا حفیرہ، تیسرا ملل، چوتھا سیالہ پانچواں روحاء، چھٹا رویثہ، ساتواں عرج، آٹھواں سقیا، نواں ابواء،
دسواں جحفہ، گیارہواں عسفان، بارہواں مرالظہران، تیرہواں مکہ''۔
ان مرحل کی درمیانی مسافت کیا تھی؟ اور ان میں کتنا تفاوت تھا؟
مشہور جغرافیہ دان ابن خرداذبہؒ فرماتے ہیں:
''مکہ سے مدینہ کا راستہ: مدینہ سے شجرہ (ذولحلیفہ) یہ پڑاؤ تو نہیں، لیکن یہیں سے احرام باندھا جاتا ہے،

(اس لیے لوگ رک جاتے ہیں) یہ مدینہ سے چھ میل ہے، ذوالحلیفہ سے ملل بارہ میل، ملل سے سیّالہ انیس میل، سیالہ سے رُویثہ چونتیس میل، رویثہ سے سقیا چھتیس میل، سقیاسے ابواء انیتس میل، ابواء سے جُحفہ ستائیس میل، جحفہ سے قُدید چھبیس میل، قدید سے عُسفان چوبیس میل، عسفان سے بطن مَرّ (مرالظہران) سولہ میل اور بطن مر سے مکہ سولہ میل ہے"۔

(المسالك والممالك: ۱/۴۸)

خلاصہ یہ ہوا کہ مراحل میں فاصلہ سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ جگہ پڑاؤ کے قابل ہے یا نہیں؛ اس لئے مراحل کی درمیانی مسافت میں کافی فرق ہو جاتا تھا؛ لہٰذا مرحلہ کی میلوں سے کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی۔

الجَرِیْب

جریب: ساٹھ ذراع چوڑا، ساٹھ ذراع لمبا (یعنی تین ہزار چھ سو مربع ذراع)

جریب: دو ہزار، پانچ سو، بیس انچ لمبا اور اتنا ہی چوڑا

جریب: چوسٹھ میٹر، آٹھ ملی میٹر چوڑا، اور اتنا ہی لمبا

جریب: دو سو دس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا

حضرت عمرؓ نے عراق میں قابل کاشت زمینوں پر ہر ایک جریب پر ایک صاع غلہ اور ایک درہم نقد لگان (خراج) لگایا تھا۔ اب جریب سے کیا مراد ہے، اس میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے؛

شیخ الاسلام خواہر زادہؒ نے فرمایا کہ جریب کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں،

جس علاقہ میں جس قدر قطعہ زمین کو جریب کہا جاتا ہو گا، اس پر مذکورہ خراج عائد ہو گا۔

علامہ ابن ہمامؒ نے لکھاہے کہ یہ قول درست نہیں؛

اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کہیں پچاس گز زمین کو جریب کہا جاتا ہو تو،

اس میں بھی ایک ہی صاع خراج ہو گا، اور جہاں کہیں سو گز پر جریب بولا جاتا ہو، تو بھی ایک ہی صاع خراج ہو گا، ظاہر ہے یہ بات فقہی اعتبار سے بعید ہے؛ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ جریب وہ قطعہ زمین ہے،

جو ساٹھ ذراع لمبا اور ساٹھ ذراع چوڑا ہو۔ اور اس جگہ ذراع سے ذراع کسری (ذراع مساحت) مراد ہے، ذراع کرباس نہیں؛ چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

والمراد من الجريب أرض طولها ستون ذراعا وعرضها كذلك بذراع الملك كسرى وهو يزيد على ذراع العامة بقبضة فهو سبع قبضات لأن ذراع العامة ست

(فتح القدير: ٦/٣٣ ط: زكريا، باب العشر والخراج)

”جریب سے ساٹھ ذراع لمبی ساٹھ ذراع چوڑی زمین مراد ہے، ذراع کسری سے، اور ذراع کسری ذراع عامہ (ذراع کرباس) سے ایک مٹھی یادہ؛ یعنی سات مٹھی ہے؛ کیونکہ ذراع کرباس چھ مٹھی ہوتا ہے“۔

جب یہ طئے ہو گیا کہ یہاں ذراع مساحت مراد ہے، تو اب ذراع مساحت کے میٹروں کو ساٹھ سے ضرب دیں گے تو وہی مجموعہ بنتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اور مربع کا مطلب ہوتا ہے: چاروں طرف یکساں،

اس کو انگریزی میں اسکوائر کہتے ہیں۔ طول کو عرض میں ضرب دینے سے جو مجموعہ بنتا ہے،

اس کو مربع فٹ، مربع میٹر وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔

باب چہارم

وزن، کیل یا مساحت سے متعلق مسائل

اس باب میں ان مسائل کا بیان ہو گا، جن کا تعلق اوزان، پیمانوں یا مساحتوں سے ہے۔ مسائل فقہ حنفی کے مطابق ہوں گے، ضمناً دیگر ائمہ کا بھی تذکرہ آسکتا ہے۔ مفتی بہ اقوال پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور فقہی ترتیب کی رعایت رکھی گئی ہے۔

کتاب الطھارۃ

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو میں ایک مد اور غسل میں پانچ مد پانی ستعمال کرتے تھے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَغْتَسِلُ بِخَمْسِ مَكَاكِيكَ وَيَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ.

(مسلم، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پانچ مکوک سے غسل اور ایک مکوک سے وضو کیا کرتے تھے"۔

اس حدیث میں مکوک سے مکوک عراقی نہیں، بلکہ مد مراد ہے۔

ایک اشکال کا جواب

روایت بالا میں تو رسول اللہ ﷺ کا پانچ مد سے غسل کرنا ثابت ہوتا ہے؛ جبکہ دیگر بہت سی روایات میں ایک صاع (۴ مد) سے غسل کرنا مذکور ہے۔

امام طحاویؒ نے اس تعارض کا بہت عمدہ حل پیش کیا ہے؛ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں چار مد سے غسل کرنا مذکور ہے، اس میں صرف اس مقدار کا بیان ہے جو غسل میں استعمال ہوتا تھا،

لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ حضور ﷺ غسل سے پہلے وضو کرتے تھے، اب جس روای نے پانچ مد سے غسل کرنا بیان کیا ہے اس کی مراد یہ ہے پہلے ایک مد سے وضو فرماتے تھے، پھر چار مد سے غسل فرماتے تھے اور جس نے چار مد کہا، اس نے فقط غسل میں استعمال ہونے والے پانی کی مقدار بتائی

(طحاوی: باب الصاع کم ھو)۔

فتوی اس پر ہے کہ وضو اور غسل میں پانی کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں، بس اسراف و بخل سے بچنا ضروری ہے۔ لیکن واضح رہے کہ سلف کے قصے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث میں بیان کردہ مقدار تک محدود رہنے کی کوشش کرتے تھے، اور اس کو سراہتے تھے، اور اس سے تجاوز کرنے والے پر نکیر کرتے تھے؛ مسند احمدؒ کی روایت ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُفْرِغُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا. قَالَ شُعْبَةُ: أَظُنُّهُ فِي الْغُسْلِ مِنْ الْجَنَابَةِ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ: إِنَّ شَعْرِي كَثِيرٌ. فَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْثَرَ شَعَرًا مِنْكَ وَأَطْيَبَ.

(مسند احمد، حدیث رقم: ۱۴۱۸۸)

”حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سر پر تین لپ پانی ڈالا کرتے تھے، شعبہؒ کہتے ہیں کہ میرے خیال سے غسل جنابت میں ایسا کرتے تھے، اس پر ایک ہاشمی مرد نے یوں کہا کہ میرے بال تو بہت زیادہ ہیں (یعنی میرا کام تین لپ سے نہ بنے گا) حضرت جابرؓ نے فرمایا: رسول اللہ کے بال تجھ سے زیادہ تھے اور اچھے تھے (جب بھی تین لپ ہی پر اکتفا کرتے تھے)۔

سنن ابن ماجہ میں صحیح سند حضرت ابو سعید خدریؓ سے (ص: ۴۳ میں) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے (ص: ۴۴ میں) بھی اسی طرح کا سوال وجواب مروی ہے۔

(دیکھیے: باب الغسل من الجنابة)

نسائی کی سنن کبریٰ (حدیث نمبر: ۲۳۳) میں یہ بھی مروی ہے:

عن أبي جعفر قال: تمارينا في الغسل عند جابر بن عبد الله، فقال جابر: يكفي من الغسل من الجنابة صاع من ماء، قلنا: ما يكفي صاع ولا صاعان، قال جابر: قد كان يكفي من كان خيرا منكم وأكثر شعرا

"حضرت ابو جعفرؒ (محمد بن علی) فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کے پاس ہم میں بحث ہوئی تو حضرت جابرؓ نے فرمایا: غسل جنابت کے لیے ایک صاع پانی کافی ہے، ہم نے عرض کیا کہ ایک صاع تو کیا دو صاع بھی کافی نہیں ہو سکتا؛ حضرت جابرؓ نے فرمایا: اس ذات کو ایک صاع کافی ہو جاتا تھا جو تم سے افضل تھی اور بال بھی ان کے زیادہ تھے"۔

اس لئے عام حالات میں اسی مقدار پر اکتفاء کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور ایسا جب ہو گا کہ نل کے بجائے لوٹے سے وضو کیا جائے، یا نل کو بار بار کھول بند کیا جائے، مسلسل کھول کر نہ رکھا جائے۔ آج کل درمیان وضو نل مسلسل کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، جس سے بہت سا پانی ضائع ہو جاتا ہے۔

تیمم سے قبل کتنی دور تک پانی تلاش کرنا واجب ہے

باب تیمم میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ مسافر ایک میل پانی سے دور ہو تو اس کے لیے تیمم درست ہے؛ لیکن اگر غالب گمان ہو کہ پانی قریب ہی کہیں موجود ہے، تو ایک غلوۃ تک پانی تلاش کرنا لازم ہے؛ اس لیے اسے چاہیے کہ ایک غلوۃ خود جائے یا کسی معتبر کو بھیجے، یا اونچے ٹیلے پر چڑھ کر دیکھ لے کہ پانی ہے یا نہیں۔

اب ایک اختلاف یہ ہے کہ چاروں اطراف کا مجموعہ ایک غلوۃ ہونا چاہئے یا چاروں طرف ایک ایک غلوۃ تلاش ضروری ہے؟ صاحب نہر نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے، علامہ شامیؒ نے بھی اسی کو اقرب کہا ہے:

والاقرب الاول کما مر عن النھر (ردالمحتار: ۱/۴۱۵)۔

اور غلوۃ کے بیان میں ہندیہ کے حوالہ سے گذر چکا کہ راجح قول کے مطابق چار سو ذراع کا ایک غلوۃ ہوتا ہے؛ لہذا ہر چہار جانب سو سو ذراع تک پانی تلاش کرنا ہو گا۔

اور سو ذراع کرباس کی مقدار ہے: پینتالیس میٹر، سات سو بیس ملی میٹر۔

تیمم کب جائز ہے

اگر کسی کو یہ غلبہ ظن ہے کہ پانی ایک میل دور ہے تو اس کے لئے تیمم کر لینا درست ہے، صاحب ہدایہ نے اسی کو مسلک مختار کہا ہے، بدائع میں اس کو اقرب الا قوال لکھا ہے، شامیؒ نے اسی کی تائید کی ہے؛ اس لئے فتوی بھی اسی پر ہے (دیکھئے: ردالمحتار: ۱/۳۹۶)۔ میل کی مقدار ہے: ۱ کلو میٹر، ۸۲۸، میٹر، ۸۰۰ ملی میٹر۔

نجاست غلیظہ کتنی معاف ہے

نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ کپڑا اور بدن نجاست سے پاک ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی طئے ہے کہ قلیل نجاست معاف ہے، البتہ کثیر نجاست مانع صلاۃ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں: غلیظہ اور خفیفہ۔ نجاست غلیظہ اگر ایک مثقال سے کم ہو، تو اس کو دھونا مستحب ہے اور اس کو دھوئے بغیر نمام پڑھ لینا مکروہ تنزیہی ہے، اگر ایک مثقال کے بقدر ہو تو دھونے کی اور بھی زیادہ تاکید ہے، مگر دھوئے بغیر بھی نماز ہو جائے گی، اور اگر ایک مثقال سے زائد ہے تو اس کو پاک کرنا شرط ہے، پاک کیے بغیر نماز نہیں ہو گی؛ چنانچہ علامہ ابن امیر حاج حلبیؒ نے حلبۃ المجلی شرح منیۃ المصلی (۱: ۴۹۲) میں لکھا ہے:

والأقرب أن غسل الدرهم ومادونه مستحب مع العلم به، والقدرة على غسله، فتركه حينئذ خلاف الأولى، نعم الدرهم غسله آكد مما دونه، فتركه أشد كراهة (ردالمحتار: ۱: ۵۲۰)

"اقرب الی الدلیل یہ ہے کہ ایک درہم اور اس سے کم نجاست غلیظہ کو دھونا مستحب ہے؛ اگر نجاست کا علم ہو اور اس کو پاک کرنے پر قدرت ہو، لہذا (بحالت نماز) نجاست کو باقی رکھنا خلاف اولی ہو گا، ہاں! ایک درہم کے بقدر ہو تو اس کو دھونا زیادہ موکد ہے؛ لہذا اقدرِ درہم کو نہ دھونا زیادہ مکروہ ہو گا"۔

ینابیع میں قدر درہم کے دھونے کو واجب کہا ہے، اور نہ دھونے کو مکروہ تحریمی کہا ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے فتح القدیر، نہایہ، محیط اور عام متون سے حلبیؒ ہی کی بات کو راجح قرار دیا ہے؛ اسی لیے احسن الفتاوی میں اسی پر فتوی نقل کیا ہے۔ لیکن علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک اقرب الی الدلیل وہی قول ہے جو ینابیع میں ہے، اگرچہ شامیؒ نے اس کے بر خلاف کو راجح کہا ہے۔ ہمارے اساتذہ کرام اور اصحاب درس کا رجحان اعلاء السنن کی تحقیق ہی کی طرف ہے۔

ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے؛ اکثر کتابوں میں اس مقام پر درہم ہی کا لفظ آیا ہے، مگر اس سے وہ درہم مراد نہیں، جو دینار سے چھوٹا ہوتا ہے، بلکہ دینار کا ہم وزن درہم مراد ہے، جس کو درہم مثقالی اور درہم کبیر بھی کہتے ہیں؛ درہم کی یہ تفسیر خود امام محمدؒ سے منقول ہے؛ شامیؒ لکھتے ہیں:

قوله: وهو مثقال، هذا هو الصحيح، (بحر)... وأفاد أن الدرهم هنا غيره في باب الزكوة

(رد المحتار: ۱: ۵۲۲)

"صاحب تنویر کا فرمانا کہ درہم ایک مثقال کا ہوگا، یہی صحیح ہے (بحر) نیز یہ بھی بتادیا کہ یہاں باب زکوۃ والا درہم مراد نہیں"۔

اب سوال یہ ہے کہ درہم کی چوڑائی مراد ہے یا اس کا وزن؟ امام محمدؒ سے کہیں تو اس کی تفسیر میں ہتھیلی کی گہرائی منقول ہے، اور کہیں مثقال کا لفظ منقول ہے؛ اسی لیے مشائخ کا بھی اختلاف ہوا ہے؛ بعضوں نے وزن مراد لیا ہے، اور بعضوں نے چوڑائی۔ شیخ ابو جعفر ہندوانیؒ سے یہ تطبیق منقول ہے کہ نجاست جرم (جسم) والی ہو تو وزن کا اعتبار ہوگا، اور پتلی ہو تو پھیلاؤ کا اعتبار ہوگا۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ:

زیلعی، زاہدی اور ابن ہمام رحمہم اللہ سمیت بہت سے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے:

لأن اعمال الروايتين إذا أمكن أولىٰ (شامی: ۱؍۵۲۲)۔

مثقال کا وزن تو دینار کے باب میں دیکھ سکتے ہیں۔ عرض کف کی چوڑائی کتنی ہوگی؟ مولانا رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں لکھ دیا ہے، تحقیق کے شائقین وہاں دیکھ لیں، آسانی کے لئے بس اتنا یاد رکھیں کہ ہتھیلی میں پانی رکھ کر ہتھیلی کو پھیلا دیا جائے، ہتھیلی میں جہاں تک پانی رکا رہے،

عرض کف سے وہی وسعت مراد ہے۔ (شامی: ۱؍۵۲۰)

نجاست خفیفہ کتنی معاف ہے

نجاست خفیفہ چوتھائی حصہ تک معاف ہے، چوتھائی سے زیادہ لگ جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ چوتھائی سے کیا مراد ہے؟ پورے بدن اور پورے کپڑے کا چوتھائی، یا ہر عضو اور ہر حصہ کا چوتھائی؟ مبسوط میں پہلے قول کو راجح کہا ہے، اور صاحب نہر اور علامہ حصکفیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، لیکن تحفۃ الفقہاء، محیط، مجتبی اور سراج میں دوسرے قول کو صحیح کہا ہے، اور حقائق میں اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے؛

اسی لئے شامیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

(دیکھیے: رد المحتار: ۱؍۵۲۴)

دہ در دہ حوض کی پیمائش

ماء قلیل (کم پانی) ناپاکی گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے، خواہ گندگی تھوڑی ہو اور اس کا اثر پانی میں ظاہر ہو یا نہ ہو، جبکہ ماء کثیر (زیادہ پانی) میں اگر نجاست گر جائے، تو جب تک نجاست کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہو، وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

ماء قلیل اور ماء کثیر کی حد کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اگر پانی کا رقبہ (پھیلاؤ) اتنا ہے کہ وضو کرنے والا ایک طرف بیٹھ کر وضو کرے تو دوسری طرف کا پانی نہ ملے تو وہ پانی کثیر ہے، ورنہ قلیل۔ ملنے سے مراد یہ ہے کہ ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف پانی اوپر نیچے نہ ہو، صرف ارتعاش اور لہروں کا اعتبار نہیں۔ فقہائے متاخرین نے اپنے تجربے سے یہ واضح کیا کہ اگر کوئی حوض دس ذراع لمبا اور دس ذراع چوڑا ہو تو ایک طرف کی حرکت سے دوسرے کنارے کو حرکت نہ ہوگی؛ لہذا دہ در دہ حوض حوض کبیر اور اس کا پانی ماء کثیر ہوگا۔ اور عوام کو چونکہ اس کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں ہوتی کہ قلیل و کثیر کا کس طرح اندازہ لگایا جائے؛ اس لئے اسی تعیین و تحدید پر فتوی دیا جانے لگا۔

یہ ساری بحث آپ شامی باب المیاہ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

آپ ذراع کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں ذراع سے ذراع کرباس مراد ہے، اور ذراع کرباس: ۴۵۷ ملی میٹر، ۲۰۰ میکرو میٹر ہوتا ہے؛ اس کو دس سے ضرب دیں تو مجموعہ: چار (۴) میٹر، پانچ سو بہتر (۵۷۲) ملی میٹر ہوتا ہے؛ لہذا جو حوض اتنا لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہو وہ حوض کبیر ہوگا۔

ہو سکے تو مدارس و مساجد میں حوض کم از کم اس رقبہ کا بنوانا چاہئے تاکہ بار بار کی ناپاکی کے مسئلہ سے امن رہے۔

عشر فی عشر کی تعبیر

دس کو دس میں ضرب دینے سے حاصل ضرب سو آتا ہے، دہ در دہ یا عشر فی عشر یا دس بائی دس کی تعبیر کا یہی مطلب ہے کہ اس حوض کا کل رقبہ سو ذراع ہو؛ اور ظاہر ہے کہ جو حوض دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو، اس کا کل رقبہ سو ہاتھ ضرور ہوگا۔ جو اصطلاحات سے واقف نہیں ان کو اس طرح سمجھایا جا سکتا ہے کہ کاپی

پر ایک لکیر لمبائی میں کھینچ لیں جس میں فاصلہ فاصلہ سے ایک سے دس تک کا عدد لکھا ہوا ہو، پھر ایک دوسری لکیر چوڑائی میں اسی طرح کھینچ دیں، پھر باقی دو اطراف سے لکیر کھینچ کر مربع (چوکور ڈبہ) کی شکل مکمل کر لیں، اس کے بعد اعداد کو ملا کر خانے بنالیں، جب خانوں کو شمار کریں گے تو کل سو خانے ہوں گے۔ یہی مطلب ہے دہ دہ در کی تعبیر کا۔ گویا اصطلاحی اعتبار سے یوں کہیں گے کہ جس حوض کا کل رقبہ: ۲۰ میٹر، ۹۰۳ ملی میٹر، ۱۸۴ میکرو میٹر ہو وہ حوض کبیر ہے۔ طبع اول میں اس مقام پر اس ناکارہ سے چوک ہوئی ہے، ناظرین درست فرمالیں۔

دو قلہ کی مقدار

امام شافعیؒ کے نزدیک دو قلہ پانی کثیر ہوتا ہے، اس سے کم پانی قلیل مانا جاتا ہے۔ باب دوم میں معلوم ہو چکا کہ دو قلہ: ایک سو اکتالیس کلو، سات سو سترہ گرام، چھ سو ملی گرام (۱۴۱ کلو، ۷۱۷ گرام، ۶۰۰ ملی گرام) کے مساوی ہے۔

کتاب الصلاۃ

طلوع و غروب کے وقت مکروہ وقت کی مقدار

سورج طلوع ہوتے وقت کوئی بھی نماز پڑھنا گناہ ہے، جب تک سورج میں اتنی روشنی نہ آجائے کہ اس پر آنکھ نہ ٹھہر سکے۔ اسی طرح شام کے وقت سورج پیلا ہو جانے کے بعد غروب تک وقت مکروہ رہتا ہے، اس وقت بھی کوئی نماز پڑھنا گناہ ہے، البتہ اگر اسی دن کی عصر کی نماز کسی وجہ سے نہ پڑھ سکا ہو تو پڑھ لینا ضروری ہے، قضا کر دینا گناہ ہے۔

سورج میں مطلوبہ روشنی آنے میں کتنے منٹ درکار ہوتے ہیں یا زردی آنے کے کتنے منٹ بعد سورج غروب ہو جاتا ہے؟ موسم اور مقام کے فرق سے اس میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے؛ اس لئے ہر جگہ کے لئے کوئی ایک فیصلہ مفید نہیں۔ جو حضرات جنتری بنانا چاہتے ہیں، ان کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے اس کا ضابطہ احسن الفتاوی میں لکھ دیا ہے، وہاں دیکھ لینا چاہئے۔

مقام سجدہ کی اونچائی

سنت یہ ہے کہ سجدہ اونچی جگہ پر نہ کیا جائے، سر اور پیر کی جگہ برابر ہو، اگر سجدہ کی جگہ نصف ذراع تک اونچی ہو، تو کراہت سے ساتھ سجدہ ہو جائے گا، اور اگر نصف ذراع سے زیادہ اونچی ہو، تو سجدہ معتبر نہ ہو گا، الا یہ کہ ازدحام کی وجہ سے کوئی اور جگہ میسر نہ ہو:

(ولو كان موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوبتين جاز) سجوده (وإن أكثر لا) إلا لزحمة كما مر، والمراد لبنة بخاری، وهی ربع ذراع عرض ستة أصابع، فمقدار ارتفاعهما نصف ذراع ثنتا عشرة أصبعا، ذكره الحلبی

(در مختار: ۱: ۵۰۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ذراع کرباس کا نصف مراد ہے؛ کیونکہ وہی ذراع چوبیس انگل کا ہوتا ہے، اور شامی نے ذراع کرباس کی صراحت بھی کی ہے۔ اور یہ معلوم ہو چکا کہ ذراع کرباس اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے؛ تو اس کا نصف نو انچ ہوا، اور نو انچ میٹر سے: ۲۲۸ ملی میٹر، ۶۰۰ میکرو میٹر ہوتا ہے۔

سترہ کتنا لمبا ہو

مصلی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں کسی کے سامنے سے گذرنے کا اندیشہ ہو، تو بہتر ہے کہ اپنے سامنے کوئی لکڑی وغیرہ کھڑی کر لے، اسی کو سترہ کہتے ہیں۔ سترہ کی لمبائی ایک ذراع ہونی چاہئے۔ ذراع سے ذراع ید مراد ہے، جو دو بالشت کا ہوتا ہے (ردالمحتار: ۲، ۴۰۲)۔

البتہ موٹا کتنا ہو، اس میں اختلاف ہے؛ ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ایک انگل موٹا ہونا چاہئے؛ لیکن بدائع میں اس کو قول ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ موٹائی طئے نہیں، شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، شامیؒ لکھتے ہیں کہ مستدرک حاکمؒ کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (حوالہ سابق)۔ اس قول کے مطابق اگر کوئی پردہ لٹک رہا ہو تو وہ بھی سترہ بن سکتا ہے۔

سترہ مصلی سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہئے، زیادہ سے زیادہ تین ذراع دور ہو سکتا ہے؛ چنانچہ بحر میں حلیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

’’سنت یہ ہے کہ سترہ مصلی سے تین ذراع سے زیادہ دور نہ ہو‘‘ (حوالہ سابق)
اور تین ذراع کی مقدار ہے: ۱ میٹر، ۳۷۱ ملی میٹر، ۶۰۰ میکرو میٹر۔

مسجد کبیر اور صغیر کی پیمائش

مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا سخت گناہ ہے۔ لیکن اس میں تفصیل ہے کہ کتنی دور سے گذرنا جائز ہے؛ اگر کوئی چھوٹا کمرہ یا چھوٹی مسجد ہو تو بہر حال سامنے سے گذرنا جائز نہیں، یا تو سترہ کا انتظام کرے یا مصلی کے سلام کا انتظار کرے۔ اور اگر کھلی جگہ یا بڑا ہال یا بڑی مسجد ہو، تو سجدہ کی جگہ نگاہ جمانے سے جہاں تک نگاہ پھیلتی ہو، اس کے آگے سے گذرنا درست ہے۔ (ردالمحتار: ۲؍۳۹۸)
مسجد کبیر کی بابت دو قول ہیں: (الف) ساٹھ ذراع لمبی (ب) چالیس ذراع لمبی؛ دوسرا قول مختار ہے (ایضاً) چالیس ذراع کے اٹھارہ (۱۸) میٹر، دو سو اٹھاسی (۲۸۸) ملی میٹر ہوتے ہیں، اور فٹ سے ساٹھ فٹ ہوتے ہیں؛ کیونکہ ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔

کتنی مالیت کا سامان گم ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے؟

دوران نماز ہانڈی ابل پڑی یا چور سامان لے کر بھاگ رہا ہے اور وہ سامان ایک درہم کی مالیت کا ہے تو نماز توڑ دینا درست ہے؛ خواہ نفل نماز ہو یا فرض؛ عالمگیری میں لکھا ہے:
رجل قام الی الصلاۃ فسرق منه شيئ قیمته درهم له أن یقطع الصلاۃ ویطلب السارق سواء کانت فریضة أو تطوعا؛ لأن الدرهم مال (عالمگیری: ۱؍۷۵)
’’ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوا، تبھی اس کی کوئی چوری ہوتی ہے جس کی قیمت ایک درہم ہے، تو وہ شخص نماز توڑ کر چور کا پیچھا کر سکتا ہے؛ خواہ فرض نماز ہو یا نفل؛ کیونکہ ایک درہم قابل لحاظ مالیت ہے‘‘۔
بہشتی زیور میں جو اس مسئلہ میں تین چار آنہ کا سامان لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت درہم کی مالیت تین چار آنہ تھی (خیر الفتاوی: ۲؍۴۶۸)۔ آج درہم کی جو قیمت بازار میں ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ درہم کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ ایک درہم: تین گرام اکسٹھ ملی گرام آٹھ سو میکرو گرام کے مساوی ہوتا ہے۔

مسافت سفر

آدمی جب تین دن کے سفر کا ارادہ کر کے آبادی سے نکل جاتا ہے تو مسافر ہو جاتا ہے، اور سفر پر مرتب ہونے والے تمام احکام اس پر جاری ہوتے ہیں؛ مثلاً: نماز میں قصر کرنا، رمضان کا روزہ مؤخر کرنا، قربانی کا واجب نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

تین دن کے سفر کی مقدار کیا ہو گی؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسافت سفر چار برید ہے، اور یہ معلوم ہو چکا کہ برید چار فرسخ، اور فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے؛ لہذا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت سفر اڑتالیس میل شرعی ہو گا۔

حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق میلوں اور فرسخوں کا اعتبار نہیں، بلکہ اس کا لحاظ ہے کہ آدمی متوسط رفتار سے تین دن میں کتنی مسافت طئے کر سکتا ہے۔ دن بھر چلنے کی بھی قید نہیں؛ بلکہ عام طور پر قافلے جو پڑاؤ کرتے ہیں، وہ بھی سفر ہی شمار ہو گا۔ فقہائے حنفیہ نے تمام باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ لکھا کہ ہر دن فجر سے زوال تک چلنا مراد ہے۔ شامی نے یہ بھی صاف کرنے کی کوشش کی ہے کہ سال کے معتدل ایام مراد ہیں، جب رات دن برابر ہوتے ہیں، یا سال کے سب سے چھوٹے دن مراد ہیں؟

قہستانی کا رجحان پہلی رائے کی طرف ہے، جبکہ صاحب محیط، قاضی خاں، عتابی، صاحب بحر اور صاحب نہر دوسری رائے رکھتے ہیں، علمائے دیوبند کا فتوی دوسرے قول کے مطابق ہے۔

مشائخ حنفیہ کے اختلاف کی بنیاد

الحاصل مذکورہ تفصیل کے مطابق تین دن میں جتنی مسافت طئے کی جا سکتی ہو وہی مسافت سفر ہے، حنفیہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے، یہی ظاہر روایت ہے اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور جن مشائخ نے بھی فرسخوں اور میلوں سے مدت سفر متعین کرنے کی کوشش کی ہے، وہ دراصل ان کے اپنے زمانے، یا علاقے کے اعتبار سے ان کا تجربہ ہے؛ اس لئے یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں؛ چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

فقيل بأحد وعشرين فرسخا ،وقيل بثمانية عشر ،وقيل بخمسة عشر ،وكل من قدر بقدر منها اعتقد أنه مسيرة ثلاثة أيام (فتح القدير :۲:۲۰ط:زکریا)

"بعض نے اکیس فرسخ کہا، بعض نے اٹھارہ فرسخ اور بعض نے پندرہ فرسخ۔ اور جس نے جو بھی مسافت بتلائی، اس کے خیال میں وہی تین دن کی مسافت تھی"۔

علمائے ہند کی رائے

اکثر علمائے ہند نے جو اڑتالیس میل انگریزی کہا ہے، اس کی بنیاد بھی یہی قول راجح ہے، ان کا خیال ہے کہ اب تین دن میں اسی قدر مسافت طئے ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے اس پر کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ یہ فتوی صحیح بنیاد پر قائم ہے۔

صاحب احسن الفتاوی کا رجوع

شروع شروع میں صاحب احسن الفتاوی حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ کو اس پر اشکال تھا؛ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا ہوا تھا کہ علمائے ہند کے فتوی کی بنیاد کچھ اور ہے، پھر جب مولانا مہربان علی بڑوتویؒ نے اصل صورت حال پیش کی تو ان کا اشکال جاتا رہا۔

ہمارے بعض حضرات اس اشکال وجواب کی حقیقت بھی سمجھنا چاہتے ہیں؛ اس لئے یہ ناکارہ تفصیل عرض کرتا ہے۔

ابھی معلوم ہوا کہ فقہ حنفی میں جن لوگوں نے سفر کی مسافت میلوں اور فرسخوں سے طئے کی ہے، اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ جن کی نگاہ میں تین دن میں جتنی مسافت طئے ہوتی ہے، اسی کو مسافت سفر قرار دیا ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں چار اقوال ملتے ہیں:

(الف) پندرہ فرسخ یعنی:۴۵ میل شرعی (ب) سولہ فرسخ یعنی:۴۸ میل شرعی

(ج) اٹھارہ فرسخ یعنی:۵۴ میل شرعی (د) اکیس فرسخ یعنی:۶۳ میل شرعی۔

صاحب احسن الفتاوی نے یہ سمجھا کہ علمائے دیوبند نے، جو ۴۸ میل کہا ہے، اس کا ماخذ یہی سولہ فرسخ والا قول ہے، اور یہ طئے ہے کہ سولہ فرسخ والے قول میں میل شرعی مراد ہے؛ لہذا علمائے ہند کے قول میں بھی

وہی مراد ہونا چاہئے، پھر تلاش بسیار کے بعد بھی ان کو اکابر دیوبند کے اقوال میں میل انگریزی کی کوئی صراحت نہیں مل سکی؛ بلکہ حضرت گنگوہیؒ اور مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہما اللہ کے فتوی میں میل شرعی کا ہی قرینہ غالب ہے؛ اس لئے یہ خیال اور پختہ ہو گیا کہ تمام علمائے کے نزدیک ۴۸ میل شرعی ہی مراد ہے، جس کے ۵۴ میل انگریزی بنتے ہیں (یعنی: ۸۷ کلو میٹر، ۸۲۷ میٹر، ۴۰۰ ملی میٹر)۔

اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو ۴۸ میل انگریزی کو ہمارے اکابر کی طرف منسوب کیا ہے، وہ نسبت درست نہیں۔ یہ صاحب احسن الفتاوی کا خیال تھا؛ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:

"اکابر علمائے ہند کی طرف ۴۸ میل انگریزی کا قول منسوب کیا جاتا ہے، مگر اکابر کی تحریرات کے تتبع سے ثابت ہوا کہ ان میں مطلق میل کا ذکر ہے، اس کے ساتھ انگریزی کی قید نہیں، اور متبادر یہ ہے کہ ان کی مراد میل شرعی ہے؛ اس لیے اڑتالیس میل انگریزی کا کوئی ماخذ نظر نہیں آتا،
صرف بہشتی زیور میں انگریزی میل کا ذکر ہے، جو جامع یا بعد کے ناشرین کا تسامح معلوم ہوتا ہے"۔

(احسن الفتاوی: ۴؍۹۵، باب صلاۃ المسافر)

مگر مولانا مہربان علی بڑوتویؒ نے کئی ایک عبارتیں ہمارے اکابر کی ایسی پیش کر دیں، جن میں میل انگریزی کی صراحت یا اس کی طرف اشارہ موجود تھا، پھر یہ بھی عقدہ حل کیا کہ ہمارے اکابر کی رائے کی بنیاد سولہ فرسخ والا قول نہیں، بلکہ تین دن کی مسافت والا قول ہے؛ اس لئے مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا؛ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اس فتوی میں اگرچہ عدم تحدید کی طرف اشارہ ہے، مگر چونکہ آپ رئیس الاکابر ہیں؛ اس لیے اس سے یہی سمجھا کہ اس کے بعد اکابر نے جو تحدید فرمائی ہے وہ اسی کے مطابق شرعی میل سے ہی ہوگی؛ اسی لیے بندہ نے مراد اکابر سمجھنے کے لیے زیادہ تتبع و جستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی۔
اس کے بعد دوسرے اکابر کی مرادات سامنے آنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کے قویٰ اور راستوں کے حالات پیش نظر رکھتے ہوئے مقدار تحدید سے متعلق اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالی سے ہٹ کر اڑتالیس میل انگریزی سے تحدید فرمائی ہے۔ بہر حال بندہ نے اپنے اشتباہ کی بنا لکھدی ہے؛ اس کی وجہ خواہ قصور عبارت کتاب (جواہر الفقہ) ہو یا قصور فہم بندہ؛ لہذا کسی کو اشتباہ کی تقریر مذکور کے کسی جز میں

کلام ہو، تو پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ بندہ نے اپنی تحریر شائع کرنے سے قبل دو ماہرین فن اور مشہور مفتیان کرام؛ مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری ثم المدنی اور مفتی عبد الستار صاحب رئیس دار الافتاء خیر المدارس ملتان سے اس بارے میں استشارہ کیا تھا، ان دونوں حضرات کی بھی مذکورہ دو بنیادی باتوں کی طرف توجہ نہیں گئی؛ بلکہ کلام اکابر میں میل سے میلِ شرعی مراد ہونے پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے فتوی سے استدلال مفتی عبد الستار صاحب ہی نے پیش فرمایا تھا۔ بہر کیف! اب اکابر کی مراد اور ان کے فتوی کی بنا واضح ہو گئی، تو میں اپنی تحریر سابق سے رجوع کرتا ہوں؛ جب تک اہل تفقہ علماء حالات زمانہ پر از سر نو اجتماعی طور پر غور و فکر کر کے کوئی نیا فیصلہ نہیں کرتے، اس وقت تک مسافت سفر حسب ذیل رہے گی:

مسافت سفر: ۴۸ میل انگریزی: ۷۷ء۲۴۸۵ کلومیٹر"۔

(احسن الفتاوی: ۱۰۴، ۱۰۵ ط: ایچ، ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان، طبع یازدہم ۱۴۲۵ھ)

رجوع کی یہ عبارت چونکہ کئی ایک سابقہ ایڈیشنوں میں موجود نہیں؛ اس لیے بعض مفتیان کرام کو اس سے انکار تھا۔ بندہ کو یہ پوری تفصیل ازبر تھی، مگر جب مفتاح الاوزان کی ترتیب کا وقت آیا، تو عبارت بالا مل ہی نہیں رہی تھی، بڑی حیرانی کا عالم تھا، کئی ایک سے مفتیان کرام سے عرض کیا کہ یہ تفصیل کسی کے نگاہ سے گذری ہو، تو احسان کریں، مگر کوئی اتا پتا نہ ملا، مجبوراً مولانا رفعت قاسمی صاحب مدظلہ العالی کی "مسائل سفر" سے دار العلوم کا فتوی نقل کیا، جس میں صاحب احسن الفتاوی کے رجوع کی بات تھی، مگر احسن الفتاوی کا صفحہ نمبر وہاں بھی صحیح درج نہ تھا۔

اب جبکہ مفتاح الاوزان ضروری ترمیم کے ساتھ طبع دوم کے لیے جارہی ہے،

بحمد اللہ احسن الفتاوی کا وہ ایڈیشن مل چکا ہے جس کی تلاش تھی؛ اس لیے دار العلوم دیوبند کا فتوی اور اس سے متعلق تفصیلات حذف کر کے براہ راست احسن الفتاوی کی عبارت لکھدی گئی ہے۔

ان شاء اللہ تعالی اس سے قارئین کی خوب تشفی ہو گی، اور بہت سوں کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

مفتی بہ قول

الحاصل اس وقت ہمارے علماء دیوبند کا فتوی یہ ہے کہ مسافت سفر ۴۸ میل انگریزی ہے، اور ایک میل انگریزی ہوتا ہے: ا کلو میٹر، ۶۰۹ میٹر، ۳۴۴ ملی میٹر کا، لہذا ۴۸ میل انگریزی کا مجموعہ: ۷۷ کلو میٹر، ۲۴۸ میٹر، ۵۱۲ ملی میٹر ہو گا۔

مسافت سفر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک

مشہور تو یہی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مسافت سفر کی مقدار ائمہ ثلاثہ کے بالمقابل زیادہ ہے؛ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگرچہ اس پر اتفاق ہے کہ سفر شرعی چار برید ہے، جس میں ہر برید چار فرسخ اور ہر فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے، اس طرح مجموعہ ۴۸ میل شرعی ہوتا ہے؛ لیکن میل کی بحث میں معلوم ہو چکا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک میل شرعی چھ ہزار ذراع کا ہوتا ہے، جس کے دو کلو میٹر، سات سو تینتالیس میٹر، دو سو ملی میٹر بنتے ہیں، اس کو اڑتالیس سے ضرب دیں تو مجموعہ ایک سو اکتیس (۱۳۱) کلو میٹر، چھ سو تہتر (۶۷۳) میٹر، چھ سو (۶۰۰) ملی میٹر بنتا ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک میل شرعی ساڑھے تین ہزار ذراع کا ہوتا ہے، جس میں ذراع چھتیس (۳۶) انگل کا ہوتا ہے، جس کے چھ سو پچاسی (۶۸۵) ملی میٹر، آٹھ سو (۸۰۰) میکرو میٹر بنتے ہیں، اس کو ساڑھے تین ہزار سے ضرب دیں تو مجموعہ: دو کلو میٹر، چار سو میٹر، تین سو ملی میٹر ہوتا ہے، مالکیہ کے نزدیک یہی میل شرعی کی مقدار ہے، اس کو ۴۸ سے ضرب دیں، تو مجموعہ: ایک سو پندرہ کلو میٹر، دو سو چودہ میٹر، چار سو ملی میٹر ہوتا ہے؛ یہی سفر شرعی کی مقدار ہے۔

غلط فہمی کی وجہ

حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں جو مسافت سفر ہے، اس کو بعض لوگ جو مساوی سمجھتے ہیں یا بعض لوگ ائمہ ثلاثہ کی مسافت سفر کو کم سمجھتے ہیں، اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی کتابوں میں چار برید کو دو دن

کا سفر بتلایا گیا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک تین دن کا سفر سفر شرعی ہوتا ہے؛ ظاہر ہے پہلی نگاہ میں آدمی یہی سمجھے گا کہ حنفیہ کے نزدیک مسافت سفر بڑھی ہوئی ہوگی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو دن کے سفر میں ہر دن بارہ بارہ گھنٹے چلنا ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک تین دن میں ہر دن صبح سے زوال تک چلنا مراد ہے؛ چنانچہ محشی منہاج احمد عمیرہ شافعیؒ فرماتے ہیں:

قوله: (أي سير يومين معتدلين) عبارة الإسنوي وهما يوم وليلة أو يومان معتدلان أو ليلتان معتدلتان اهـ. (حاشية عميرة: ۱:۲۹۹)

"مؤلف کا قول دو معتدل دنوں کی مسافت: اسنوی کی عبارت یہ ہے: مدت سفر مکمل ایک رات اور دن یا دو معتدل دن یا دو معتدل راتیں ہیں"۔

شامیؒ نے وضاحت کی ہے کہ گھنٹوں کے حساب سے سفر شرعی حنفیہ کے نزدیک تقریباً ساڑھے بیس گھنٹے ہوتے ہیں (ردالمحتار: ۲، ۱۲۳)۔ بلکہ یہ ناکارہ کہتا ہے کہ سال کے چھوٹے دنوں میں ہندوستان میں فجر کے بعد سے زوال تک روزانہ کے صرف چھ گھنٹے ہوتے ہیں، اور تین دن کا مجموعہ اٹھارہ گھنٹے ہوتے ہیں؛

جبکہ احمد عمیرہؒ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت سفر چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں؛

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے قول کو میل سے دیکھیں یا گھنٹوں سے بہر حال ان کے نزدیک مسافت سفر حنفیہ سے زیادہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو مسافت سفر ہے، اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی، ہر زمانے اور ہر علاقے میں ایک ہی مقدار متعین ہوگی۔ ان کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے:

لا تقصر الصلاة في أقل من أربعة برد من مكة إلى عسفان. (دار قطني)

"چار برید سے کم میں قصر نہیں کیا جائے گا؛ جیسے: مکہ سے عسفان"۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ چار برید متعین نہیں، اس وقت تین دن میں چار برید طئے ہو جاتا ہوگا؛ اس لئے صحابہ اس مسافت پر قصر کا فتوی دیتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: مکہ سے عسفان کا فاصلہ کتنے کلو میٹر ہے، اگر یہ معلوم ہو جائے تو یہ بھی اندازہ قائم ہو سکتا ہے کہ برید صحابہ کے زمانہ میں کتنے کلو میٹر کا ہوتا تھا؛ مگر کتابوں سے اس کی حقیقت معلوم کرنا دشوار ہے۔

مکہ سے عسفان کا فاصلہ

مکہ سے عسفان کا فاصلہ کیا ہے؟ قاضی عیاضؒ ۳۶ میل فرماتے ہیں (مشارق الانوار)، نوویؒ فرماتے ہیں کہ مکہ سے عسفان چار برید ہے اور ایک برید چار فرسخ کا اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے؛ اس لئے عسفان مکہ سے اڑتالیس میل (تقریباً ۱۳۱ کلومیٹر) ہوگا، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہی ہے۔ مرحلہ کے بیان میں گذر چکا کہ ابن خرداذبہؒ بتیس (۳۲) میل کا فاصلہ قرار دیتے ہیں۔ آج کل مکہ سے جو سڑک مدینہ کو جارہی ہے، وہ وادی عسفان سے ذرا ہٹ کر گذرتی ہے؛ پھر بھی وادی عسفان کے سامنے پہنچ کر دیکھیں تو کار کا میٹر تقریباً ۱۰۵ کلومیٹر کا فاصلہ بتلاتا ہے، جس کے تقریباً ۷۵ میل شرعی ہوتے ہیں۔

بندہ کی نگاہ میں ان اختلافات کے پیش نظر یہ معلوم کرنا بہت دشوار ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے زمانہ میں مکہ سے عسفان کا فاصلہ کیا تھا؟ کیونکہ اب جو راستہ مکہ سے مدینہ کے لئے جاتا ہے، پہلے یہ راستہ متعارف نہ تھا، کوئی اور راستہ تھا، جس کی چھان بین کرکے اس راستہ سے موٹر لے کر عسفان جانا تاکہ کیلو میٹر معلوم ہوسکے مستقل ایک کام ہے۔

بہرحال مکہ سے عسفان کا فاصلہ کچھ بھی ہو، حنفیہ کے لئے مضر نہیں؛ کیونکہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے، اس زمانے میں تین دن میں اتنی ہی مسافت طئے ہوتی ہو؛ اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے یہ فتوی دیا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

بحری سفر

مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے لکھا ہے کہ بحری سفر میں بحری میل کا اعتبار ہوگا، نیز بحری سفر چونکہ بلا قیام چوبیس گھنٹے دن رات جاری رہتا ہے؛ اس لیے تین دن میں ۷۲ گھنٹے کی مسافت کو مسافت سفر قرار دیا جائے گا؛ جس کے ۳۹۶ بحری میل بنتے ہیں؛

چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:

”بحری سفر کو بھی بری سفر پر قیاس کرکے اڑتالیس میل قرار دینا صحیح نہیں، مذہب میں اصل اعتبار میلوں کی بجائے تین روز کی مسافت کا ہے۔ بری سفر میں اس کا تخمینہ ۴۸ میل کیا گیا ہے،

مگر یہ فیصلہ بحری سفر پر جاری نہیں ہو سکتا۔ بحری جہاز کے کپتان سے تحقیق ہوئی کہ عام معمولی کشتی معتدل ہوا میں پانچ چھ میل بحری فی گھنٹہ طئے کرتی ہے،

ماہرین فن ملاحوں اور پاک بحریہ کے افسروں سے بھی اس کی تصدیق ہوئی؛ مجموعہ پانچ شہادتوں سے ثابت ہوا کہ معتدل ہوا میں معمولی کشتی کی اوسط رفتار ساڑھے پانچ میل بحری فی گھنٹہ ہے؛

لہذا بحری سفر میں مسافت قصر کا حساب یوں ہو گا: تین دن = ۷۲ گھنٹے ضرب ساڑھے پانچ = ۳۹۶ بحری میل"۔ (احسن الفتاوی: ۴؍۸۶)

کچھ علمائے کرام کو اس پر خلجان ہے کہ بحری سفر میں قیام نہیں ہوتا، ان کا ماننا ہے کہ بحری سفر میں بھی قیام ہوتا ہے۔ لیکن یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ بحری سفر میں اس قدر قیام نہیں ہوتا، جتنا بری پیدل سفر میں ہوتا ہے، کشتی چلتی رہتی ہے اور خورد و نوش اور آرام کا معاملہ بھی چلتا رہتا ہے؛

اس لیے مولانا رشید احمدؒ کے فتوی پر اس ناکارہ کو کچھ اشکال نہیں۔ مفتیان کرام خود غور فرمالیں گے۔

ہوائی جہاز کا سفر

اگر ہوائی جہاز خشکی کے راستہ کے اوپر اوپر پرواز کر رہا ہو تو برّی مسافت کا اعتبار ہو گا، اور سمندر کے اوپر پرواز کرتا ہو تو بحری مسافت کا اعتبار ہو گا، اس کو نہ دیکھیں گے کہ ہوائی جہاز تین دن میں کتنی مسافت طئے کرتا ہے؛ اس لیے کہ قصر کا اصل مدار اس پر ہے کہ خشکی یا دریا میں معتدل رفتار سے تین دن کا سفر ہو جائے، اگر اتنی مسافت تیز رفتار سواری کے ذریعہ جلدی طئے کرلی جائے، تو بھی قصر واجب ہو گا۔

(دیکھیے: احسن الفتاوی: ۴؍۸۲ باب صلاۃ المسافر)

قبر کی گہرائی

مستحب یہ ہے کہ قبر میت کے قد کے برابر یا سینہ تک گہری ہو، نصف قامت تک ہو تب بھی کوئی حرج نہیں؛

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

قوله (مقدار نصف قامة الخ) أو إلى حد الصدر، وإن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن كما في الذخيرة، فعلم أن الأدنى نصف القامة، والأعلى القامة ... والمقصود منه المبالغة في منع الرائحة ونبش السباع (ردالمحتار ۲: ۲۳۴)

"قبر کی گہرائی نصف قامت یا سینہ تک ہو، اور اگر قد کے برابر ہو تو زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ ذخیرہ میں لکھا ہے، معلوم یہ ہوا کہ کم از کم نصف قامت ہو، اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بقدر قامت ہو، اس کا مقصد یہ ہے کہ ممکن حد تک بدبو سے اور درندوں کے دست برد سے بچایا جاسکے"۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خود میت ہی کو ناپ کر اس کا اندازہ مقرر کیا جائے گا، میٹروں سے کوئی خاص مقدار متعین کرنا تکلف ہو گا۔

کتاب الزکوۃ

نصاب زکوۃ

چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام، تین سو ساٹھ (۳۶۰) ملی گرام چاندی، یا ستاسی (۸۷) گرام، چار سو اسی (۴۸۰) ملی گرام سونا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس کے پاس دو سو درہم چاندی یا بیس دینار (مثقال) سونا ہو، یا اس مالیت کا تجارتی مال ہو، اور دین سے فارغ ہو، وہ صاحب نصاب کہلاتا ہے۔ اگر یہ مال اس کے پاس ایک سال تک باقی رہا، یا کم و بیش ہوتا رہا، بالکل ختم نہ ہوا، اور جس دن سال مکمل ہو رہا ہے، اس دن اتنا مال موجود ہے، جو نصاب کو پہنچ رہا ہے، تو اس پر اپنے مال کا چالیسواں (ہر چالیس میں ایک) حصہ بطور زکوۃ نکالنا لازم ہو گا۔

اور درہم و دینار کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ درہم گرام سے: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکرو گرام (۳ گرام، ۶۱ ملی گرام، ۸۰۰ میکرو گرام) کا اور تولہ، ماشہ سے درہم: تین ماشہ، ایک رتی اور رتی کے پانچویں حصہ کا ہوتا ہے۔ اور دینار: چار گرام، تین سو چوہتر ملی گرام (۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام) کا اور رتی سے دینار: چھتیس رتی؛ یعنی: ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔

لہٰذا دینار کے رتیوں کو بیس سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ ساڑھے سات تولہ (۷ء۵) ہوتا ہے اور درہم کے رتیوں کو دو سو سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے۔ علمائے دہلی کے نزدیک نصاب زکوۃ کی یہی مقدار ہے۔ اور درہم کے گراموں کو دو سو سے اور دینار کے گراموں کو بیس سے ضرب دیں گے، تو مجموعہ ہوگا: چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام، تین سو ساٹھ (۳۶۰) ملی گرام چاندی، اور ستاسی (۸۷) گرام، چار سو اسی (۴۸۰) ملی گرام سونا۔ موجودہ اوزان سے سونے چاندی کا یہی نصاب ہے۔

صدقہ فطر کا نصاب

جو نصاب زکوۃ کا ہے، وہی نصاب صدقہ فطر کا بھی ہے، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ زکوۃ فرض ہونے کے لئے خاص کر سونے چاندی، روپئے پیسے یا مال تجارت کا اس مقدار میں ہونا لازم ہے، جو اوپر مذکور ہوا، جبکہ صدقہ فطر میں اگر آدمی عید الفطر کی صبح ایسے سامان کا مالک ہے، جو روزمرہ کے کام میں نہیں آتا، خواہ تجارت کا مال ہو یا نہ ہو، اور وہ مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے۔

نصاب قربانی

جس مقدار مال پر صدقہ فطر واجب ہے، قربانی بھی اسی مقدار پر واجب ہے، اس میں بھی مال کا سونے چاندی یا مال تجارت کی شکل میں ہونا ضروری نہیں۔ جس قسم کے نصاب پر صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے، اس نصاب کے مالک کو شریعت میں غنی (مالدار) کہتے ہیں۔ اور جس کے پاس اتنا مال نہ ہو، یا ہو مگر قرض سے فارغ نہ ہو، اس کو شریعت میں فقیر کہتے ہیں۔

جو غنی ہو اس کو زکوۃ، عشرہ، چرم قربانی کی رقم، فدیہ کی رقم، کفارے کا صدقہ، لقطہ، بینک انٹرسٹ، یا کسی قسم کا صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں، نیز اس پر اپنے قریبی رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے۔ اور جو فقیر ہو اس کے لیے ہر قسم کے صدقات و خیرات جائز ہیں، اور رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں۔ الغرض وجوب قربانی، حرمان زکوۃ، وجوب نفقہ میں وہی نصاب ملحوظ ہوگا جو صدقہ فطر کے بیان میں مذکور ہے؛ وہ نہیں جو زکوۃ کے باب میں مذکور ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار

جو شخص عید کی صبح صادق کے وقت اس نصاب کا مالک ہو، جو ابھی معلوم ہوا، اس پر اپنی ذات اور نابالغ اولاد میں سے ہر ایک کی طرف سے نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جو یا کھجور صدقہ کرنا واجب ہے۔ ان غلہ جات کے بجائے ان کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اور صاع کے بیان میں معلوم ہو چکا کہ صاع: ۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام، اور نصف صاع: ۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام ہوتا ہے۔

کفارات کا بیان

روزہ کا فدیہ

روزہ ادا ہو یا قضا بذات خود ادا کرنا لازم ہے؛ صرف دو صورتوں میں فدیہ دینا جائز ہے:

(الف) کوئی شخص اتنا بوڑھا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہی ہو تو اس پر لازم ہے کہ ہر روزہ کے بدلے ایک فدیہ دے۔ اگر کوئی ایسی بیماری کا شکار ہو کہ شفا کی امید نہ تو وہ بھی روزہ کا فدیہ دے گا، لیکن شفا ہو گئی، تو قضا رکھنا لازم ہو گا اور وہ فدیہ صدقہ نفل بن جائے گا۔

(ب) روزہ بھول کر یا جان بوجھ کر چھوڑا ہو اور موت کا وقت آ گیا، تو فدیہ کی وصیت کر جانا لازم ہے، اور ورثہ پر تہائی مال سے اس وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر وصیت کیے بغیر مر جائے، اور بالغ ورثہ اپنے مال سے فدیہ ادا کر دیں، تو بھی اللہ کی ذات سے امید کی جا سکتی ہے کہ میت کی طرف سے فدیہ قبول فرمائے گا۔

ایک فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقہ فطر کی مقدار ہے؛

لہذا ایک ماہ کے روزوں کا فدیہ ہو گا: ۴۷ کلو، ۲۳۹ گرام، ۲۰۰ ملی گرام گندم یا اس کی قیمت۔ اور ۲۹ دن کا فدیہ ہو گا: ۴۵ کلو، ۶۶۴ گرام، ۵۶۰ ملی گرام گندم۔ ایک ماہ کا فدیہ ایک فقیر کو بھی دیا جا سکتا ہے، اور چند افراد کو بھی۔

نماز کا فدیہ

اپنی حیات میں نماز کا فدیہ دینے کی کوئی صورت نہیں، قضا نمازوں کو خود پڑھنے کی فکر لازم ہے،

البتہ مرتے کچھ نمازیں ذمہ میں باقی رہ گئی ہوں، تو وصیت کرنا لازم ہے۔ اگر بالغ ورثہ بغیر وصیت اپنے مال سے فدیہ ادا کردیں، تو بھی قبولیت کی امید ہے۔

ایک نماز کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے برابر ہے اور پانچ نمازوں کے ساتھ وتر کا فدیہ بھی واجب ہے؛ لہذا ایک دن کی کل نمازوں کا فدیہ ہوا: ۹ کلو، ۷۴۴ گرام، ۸۴۰ ملی گرام گندم یا اس کی قیمت، اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ہوگا: ۲۸۳ کلو، ۴۳۵ گرام، ۲۰۰ ملی گرام گندم یا اس کی قیمت۔

روزہ کا کفارہ

جو شخص عمداً رمضان کا روزہ توڑ دے کفارہ میں اس پر ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے، اگر اس پر قدرت نہ ہو، تو مسلسل ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو،
تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت دینا لازم ہے (شامی: ۳، ۳۹۰)۔
ایک صدقہ فطر کی مقدار ہے نصف صاع گندم یا اس کی قیمت۔ نصف صاع:
ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (۱ کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام) ہوتا ہے۔
ایک مسکین کو ساٹھ دن ایک صدقہ کے برابر غلہ وغیرہ دیتا رہے یا ایک ہی دن ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دیدے دونوں جائز ہے (شامی: ۵، ۱۴۵ باب کفارہ ظہار)۔
صدقہ دینے کے بجائے اگر ساٹھ مسکینوں کو ایک دن صبح وشام، یا ایک مسکین کو ساٹھ دن صبح وشام کھانا کھلادے، تو بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ
ایک مسکین کو ایک سو بیس دن تک فقط صبح کا کھانا کھلادے:

قال في التاترخانية: وعن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة: إذا غدى واحداً مائة وعشرين يوماً أجزأه (ردالمحتار: ۵: ۱۴۵)

ساٹھ صدقہ کی مجموعی مقدار ہے: چورانوے (۹۴) کلو، چار سو اٹھہتر (۴۷۸) گرام، چار سو (۴۰۰) ملی گرام گندم۔
لیکن یہ درست نہیں کہ ایک ہی مسکین کو ایک ہی دن ساٹھ صدقے دیدیے جائیں، اگر ایسا کیا گیا تو تو محض ایک دن کا صدقہ شمار ہوگا:

ولو أباحه كل الطعام في يوم واحد دفعة أجزأ عن يومه ذلك فقط

(در مختار مع رد المحتار:۵:۱۴۵)

کفارہ ظہار

جو مسئلہ کفارہ رمضان کا ہے، وہی مسئلہ کفارہ ظہار کا بھی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جو تفصیل کفارہ ظہار میں ہے، وہی تفصیل کفارہ رمضان میں بھی ہے؛ کیونکہ کفارہ کے مسائل میں کفارہ ظہار ہی اصل ہے، کفارہ رمضان کو فقہائے کرام نے اسی پر قیاس کیا ہے، اور کفارہ رمضان کے بیان میں ابھی جو فقہی عبارتیں گذری ہیں، وہ دراصل باب الظہار ہی سے ماخوذ ہیں۔

کفارہ قسم

اگر کوئی شخص قسم کھا کر توڑ دے، تو اس پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، یا دس مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو اتنا کپڑا دے جس سے اکثر بدن ڈھانپا جا سکے۔

(در مع الرد ۵،۵۰۳)

یہاں بھی کھانا کھلانا یا غلہ دینا دونوں کافی ہے، اگر غلہ دے تو صدقہ فطر کی مقدار ہونا چاہئے۔

ایک مسکین کو دس دن صبح وشام کھلانا، یا بیس دن صرف صبح کو کھلانا، ی

ادس مسکینوں کو ایک دن صبح وشام کھلانا سب کافی ہے۔ (شامی:۵،۵۰۳)

کفارہ قتل

کسی مسلمان کے ہاتھوں کسی مسلمان کا قتل ہو جائے، تو بطور کفارہ شرعاً لازم ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، اگر وسعت نہ ہو، تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔ کفارہ قتل میں مسکینوں کو کھلانا یا غلہ دینا کافی نہیں۔

علامہ عینیؒ نے کفارہ قتل میں بھی اطعام کی بات کہی ہے؛ علماء نے لکھا ہے

کہ یہ علامہ عینیؒ کی چوک ہے:

قوله سوى القتل؛ فإنه لا إطعام فيه، فلا إباحة، وإنما ذكره للرد على العيني

(ردالمحتار: ۵: ۱۴۶ باب کفارۃ الظھار)

کتاب النکاح

مہر کی کم از کم مقدار

حنفیہ کے نزدیک کم از کم مہر دس درہم ہے۔ اور معلوم ہو چکا کہ ایک درہم: تین گرام، اکسٹھ ملی گرام، آٹھ سو میکرو گرام ہوتا ہے، اس کو دس سے ضرب دیں گے تو مجموعہ: ۳۰ گرام، ۶۱۸ ملی گرام ہو گا۔ اگر اس مقدار چاندی یا اس کی قیمت ادا کر دی جائے تو مہر شرعی ادا ہو جائے گا

۔ دس درہم قدیم تولہ سے: ۲ تولہ ساڑھے سات ماشہ ہوتا ہے۔

مہر فاطمی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اپنی ازواج مطہرات اور بنات طیبات کا مہر پانچ سو درہم طئے کیا تھا؛ ازواج مطہرات کے بارے میں روایات میں بارہ اوقیہ اور ایک نش کی صراحت آئی ہے؛

صحیح مسلم میں مروی ہے:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا قَالَتْ أَتَدْرِي مَا النَّشُّ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَهَذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَزْوَاجِهِ

(صحیح مسلم، باب الصداق)

"حضرت ابو سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر کتنا تھا؟ فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ اور نش مہر دیا تھا، پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم کو معلوم ہے نش کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: آدھا اوقیہ (یعنی بیس درہم) اس طرح کل مہر پانچ سو درہم ہوا؛ یہی ازواج مطہرات کا مہر تھا"۔

ایک اوقیہ چالیس درہم کا اور نش نصف اوقیہ یعنی: بیس درہم کا ہوتا ہے؛ اس طرح مجموعہ پانچ سو درہم ہوتا ہے۔ یہی مقدار مہر فاطمی سے مشہور ہے۔ مہر فاطمی موجودہ وزن سے: ایک کلو، پانچ سو تیس (۵۳۰) گرام، نوسو (۹۰۰) ملی گرام چاندی ہوتا ہے۔ اور قدیم تولہ سے ایک سو، سوا اکتیس (۱۳۱ء۲۵) تولہ ہوتا ہے۔

بعض کتابوں میں جو ۵۳ تولہ لکھا ہے، وہ دس گرام کے تولہ سے لکھا ہے۔

بعض روایات میں صرف بارہ اوقیہ کا تذکرہ ہے، اس کے مطابق مہر فاطمی ۴۸۰ درہم ہوگا۔ مگر صحیح مقدار وہی ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے؛ کیونکہ اس روایت میں نش کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے، جیسا کہ عربوں کی عادت ہے کہ کسر چھوڑ کر بولتے ہیں۔ روایت یہ ہے:

(عن عمر بن الخطاب) مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً. قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

(ترمذی، باب فی مهور النساء)

”حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں: میرے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں یا بیٹیوں میں سے کسی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا“۔

صاحب احسن الفتاوی کا خیال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہے، مگر بنات طیبات کا مہر فقط ۴۸۰ درہم ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہونا مذکور ہے، مگر کسی روایت میں بنات طیبات کا مہر ۵۰۰ درہم ہونا مذکور نہیں؛ اس لیے انہوں نے مہر فاطمی فقط ۴۸۰ درہم قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: احسن الفتاوی ۵، ۳۲)

مگر اس ناکارہ کا خیال یہی ہے کہ مہر فاطمی جو ۵۰۰ درہم مشہور ہے وہی صحیح ہے، جس طرح ازواج مطہرات کا مہر ۵۰۰ درہم مسلم ہے، مگر روایت بالا میں ۴۸۰ سے زائد کی نفی ہے، اسی طرح بنات کا مہر بھی ۵۰۰ درہم تھا، اگرچہ روایت بالا میں ۴۸۰ سے زائد کی نفی ہے۔ وجدان صحیح اس کی شہادت نہیں دیتا کہ آپ کی بنات کا مہر ۵۰۰ کے بجائے خصوصیت سے ۲۰ درہم کم کر کے ۴۸۰ درہم متعین کیا جاتا ہو۔

فالله اعلم بحقيقة الحال۔

پھر مصنف ابن ابی شیبہؒ میں دو مرسل رواتیں ایسی مل گئیں جن سے قول مشہور کی ہی تائید ہوتی ہے؛ روایات ملاحظہ فرمائیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: كَانَ صَدَاقُ بَنَاتِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَدَاقُ نِسَائِهِ خَمْسَ مِئَةِ دِرْهَمٍ.

(مصنف: ۴، ۱۸۸، رقم: ۱۶۶۳۰)

"محمد بن ابراهیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں اور بیبیوں مہر پانچ سو درہم تھا"۔

حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ: السُّنَّةُ فِي النِّكَاحِ اثْنَا عَشَرَ أُوقِيَّةً وَنِصْفٌ فَذَلِكَ خَمْسُ مِئَةِ دِرْهَمٍ. (رقم: ۱۶۶۳۵)

"حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ سنت مہر ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی: پانچ سو درہم ہے"۔

چاندی کی انگوٹھی کی جائز مقدار

بعض کتابوں میں ایک مثقال تک اجازت ہے، بعض کتابوں میں یہ ہے کہ ایک مثقال نہ ہونے پائے۔ علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ آخری رائے حدیث کے موافق ہے:

قوله (ولا يزيده على مثقال) وقيل لا يبلغ به المثقال، ذخيرة. أقول: يؤيده نص الحديث السابق من قوله عليه الصلاة والسلام: ولا تتممه مثقالا

(ردالمحتار: ۹، ۵۲۰ الحظر والاباحة، فصل في اللبس)

"انگوٹھی ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو، بعض کہتے ہیں کہ مثقال کے وزن کو نہ پہنچنے پائے؛ حدیث سابق سے صراحتاً اسی قول کی تائید ہوتی ہے"۔

پوری حدیث ترمذی، نسائی اور صحیح ابن حبان (کتاب الزینۃ، حدیث نمبر: ۵۴۸۸) میں حضرت بریدہؓ سے منقول ہے، جس میں یہ فقرہ بھی ہے:

فقال: يارسول الله من أي شيء أتخذه؟ قال: من ورق ولا تتممه مثقالا

"اس شخص نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میں کس دھات کی انگوٹھی پہنوں، تو آپ نے فرمایا: چاندی کی، مگر ایک مثقال تک اس کا وزن نہ پہونچے"۔

ایک مثقال: ۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام ہوتا ہے (دیکھیے: دینار کا بیان)۔

ذوالحلیفہ کی مسافت

مدینہ سے ذوالحلیفہ کی کیا مسافت ہے ؟وقت عصر کے بیان میں بھی اس کی بحث آتی ہے اور میقات کے بیان میں بھی۔اس سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں؛ قول راجح کیا ہے؛علامہ شامیؒ سے سنیے:

قال العلامة القطبي في منسكه والمحرر من ذلك ما قاله السيد نور الدين علي السمهودي في تاريخه قد اختبرت ذلك فكان من عتبة باب المسجد النبوي المعروف بباب السلام إلى عتبة مسجد الشجرة بذي الحليفة تسعة عشر ألف ذراع بتقديم المثناة الفوقية وسبعمائة ذراع بتقديم السين واثنين وثلاثين ذراعا ونصف ذراع بذراع اليد. اه قلت وذلك دون خمسة أميال فإن الميل عندنا أربعة آلاف بذراع الحديد المستعمل الآن والله أعلم اه (شامي، باب المواقيت)

”علامہ قطبیؒ نے اپنی منسک میں لکھاہے کہ اس سلسلہ میں قول محقق وہ ہے، جو سمہودیؒ نے لکھاہے، سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد نبوی کے باب السلام کی چوکھٹ سے ذوالحلیفہ کی مسجد کی چوکھٹ تک ناپا تو انیس ہزار سات سو بتیس (۱۹۷۳۲) ہاتھ پایا۔ علامہ قطبیؒ کہتے ہیں: یہ پانچ میل (شرعی) سے کچھ کم ہے؛ کیونکہ میل ہمارے یہاں مستعمل لوہے کے ذراع سے چار ہزار ذراع ہوتا ہے“۔

قمری سال

قمری سال تین سو چون (۳۵۴) دن، آٹھ (۸) گھنٹے، اڑتالیس (۴۸) منٹ کا ہوتا ہے؛ چنانچہ شارح وقایہ لکھتے ہیں:

والسنة القمرية اثنا عشر شهرا قمريا، ومدتها ثلث مآة وأربعة وخمسون يوما وثلث يوم وثلث عشر يوم (شرح وقاية: ۲: ۱۴۱ باب العنين)

”قمری سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے؛اس کی مدت تین سو چون (۳۵۴) دن، دن کا ایک تہائی، پھر دن کا تیسواں حصہ ہے“۔

تین سو چون دن تو واضح ہے، دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا تہائی آٹھ (۸) گھنٹہ ہو گا، نیز دن ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴۰) منٹ کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس کا تیسواں حصہ اڑتالیس (۴۸) منٹ ہو گا۔ علم ہیئت کے اکثر ماہرین یہی لکھتے ہے، اس کا مزید بیان آئندہ آرہا ہے۔

شمسی سال

شمسی سال تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن، چھ (۶) گھنٹے کا ہوتا ہے؛ چنانچہ شارح وقایہ لکھتے ہیں:

فالسنة الشمسية مدة وصول الشمس الى النقطة التى فارقتها من فلك البروج، وذلك فى ثلث مأة وخمسة وستين يوما وربع يوم (ایضا)

"شمسی سال اس مدت کو کہتے ہیں، جتنی مدت میں فلک بروج میں سے کسی خاص فلک کو چھوڑ کر سورج پھر اس فلک میں واپس آجائے، ایسا تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن، اور ایک چوتھائی دن میں ہوتا ہے"۔

اسی وجہ سے شمسی سال میں ہر چوتھے سال فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا مانا جاتا ہے تاکہ ہر سال میں جو چھ گھنٹے زائد بچتے ہیں ان کا حساب پورا ہو جائے۔ جس سال فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اسے انگریزی میں لیپ (LEAP) کا سال کہتے ہیں۔

شمسی اور قمری سال میں کتنا فرق ہے؟

شرح وقایہ کی عبارت کی روشنی میں حساب کیا جائے تو شمسی سال ۸۷۶۶ گھنٹے کا اور منٹ سے ۵۲۵۹۶۰ منٹ کا ہوتا ہے، جبکہ قمری سال ۸۵۰۴ گھنٹے ۴۵ منٹ کا اور منٹ سے ۵۱۰۲۸۸ منٹ کا ہوتا ہے؛

پس شمسی سال ۱۵۶۷۲ منٹ بڑا ہے، جس کے ۲۶۱.۲ گھنٹے بنتے ہیں۔ انٹرنیٹ شمسی سال کو صرف ۵۲۵۶۰۰ منٹ بتلاتا ہے؛ کیونکہ اس میں صرف ۳۶۰ دن کا حساب لیا گیا ہے، ۶ گھنٹے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

تولید قمر کا مسئلہ

ابھی شرح وقایہ کے حوالہ سے جو قمری اور شمسی سال کی تفصیل لکھی گئی ہے وہ متفق علیہ نہیں، رصد گاہوں کا اس میں قدیم سے اختلاف رہا ہے؛ صاحب کافی لکھتے ہیں:

الشَّمْسِيَّةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَخَمْسَةٌ وَسِتُّونَ يَوْمًا وَرُبُعُ يَوْمٍ وَجُزْءٌ من مِائَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا من الْيَوْمِ وَالْقَمَرِيَّةُ ثَلَاثُمِائَةٍ وَأَرْبَعَةٌ وَخَمْسُونَ يَوْمًا كَذَا في الْكَافِي

(هندیه، باب العنین)

"شمسی سال ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۱۲ منٹ کا ہوتا ہے اور قمری سال ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے"۔

شمسی سال جو کافی میں مذکور ہے ابرخس کی رصد گاہ کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔

اب رصد گاہ ایلخانی کی روداد سنیے:

لأن السنة الشمسية ثلثمائة وخمس وستون يوماً وخمس ساعات وتسع وأربعون دقيقة على مقتضى الرصد الإيلخاني والسنة القمرية ثلثمائة وأربعة وخمسون يوماً وثمان ساعات وثمان وأربعون دقيقة فيكون التفاوت بينهما عشرة أيام وإحدى وعشرين ساعة ودقيقة واحدة

(روح المعاني: سورة الكهف: ۲۵)

"شمسی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۹ منٹ کا ہوتا ہے اور قمری سال ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ کا ہوتا ہے؛ اس لیے دونوں میں ۱۰ دن ۲۱ گھنٹے ایک منٹ کا فرق ہوگا"۔

آپ مزید تفصیل شرح وقایہ کے حاشیہ میں مولانا عبدالحیؒ کے قلم سے پڑھ سکتے ہیں (شرح وقایه: ۱۴۱/۲، حاشیہ نمبر ۶)۔ اس تفصیل سے آپ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ یہ حساب قطعی نہیں؛ ورنہ علمائے ہیئت کا اختلاف نہ ہوتا۔ یہ مشاہدہ پر مبنی ہے، جس نے جیسا مطالعہ کیا اس نے ویسی ہی رائے دی۔

یہیں سے علامہ ابن تیمیہؒ کی یہ بات بھی بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ تولید قمر کا مسئلہ خود اصحاب ہیئت کے یہاں مختلف فیہ ہے، یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی جنتری کے حساب سے جس دن چاند کے ہونے کا

یقین کیے بیٹھے ہیں، اس دن چاند ہو ہی جائے؛ اس لیے شریعت میں اس حساب کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس مسئلہ پر یہ ناکارہ "الرضی شرح الترمذی" میں مفصل گفتگو کرے گا، ان شاء اللہ تعالی۔

اصحاب کہف کتنے دن کے بعد زندہ کیے گئے

قرآن سے اشارہ ملتا ہے کہ اصحاب کہف شمسی سال سے تین سو سال اور قمری سال سے تین سو نو سال غار میں سوئے رہے؛ قرآن کریم کا انداز بیان دیکھیے:

ولبثوا فی کهفهم ثلث مأة سنین وازدادوا تسعا (کهف:۲۵)

"اصحاب کہف تین سو سال غار میں رہے، اور مزید نو سال"۔

صاف یہ کیوں نہیں کہا گیا کہ تین سو نو سال رہے؛ اس کی وجہ حضرت علیؓ سے یہی مروی ہے کہ اس انداز بیان میں قمری اور شمسی سال کا جو تفاوت تھا وہ اجاگر نہ ہو پاتا، جو موجودہ انداز بیان سے ہو جا رہا ہے؛

روح المعانی میں لکھا ہے:

فقیل هو الإشارة إلی أنها ثلثمائة بحساب أهل الکتاب واعتبار السنة الشمسیة وثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار السنة القمریة فالتسع مقدار التفاوت، وقد نقله بعضهم عن علی کرم الله تعالی وجهه.

"کہا جاتا ہے کہ اس طرز بیان میں اشارہ ہے کہ اہل کتاب اور شمسی لحاظ سے تین سو سال اور قمری حساب سے تین سو نو سال ہوتا ہے؛ پس نو سال دونوں کے درمیان جو تفاوت ہے اس کا بیان ہے،

بعض نے یہ نکتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے"۔

حضرت علیؓ کے فرمان پر بعض لوگوں کو اشکال ہوا ہے۔ اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شمسی سال قمری سال سے ۱۵۶۷۲ منٹ بڑا ہوتا ہے تو تین سو سال میں ۴۷۰۱۶۰۰ منٹ زیادہ ہو جائیں گے، جس کے ۷۸۳۶۰ گھنٹے بنتے ہیں، اور جب ان زائد منٹوں کو قمری سال کے منٹوں سے تقسیم کرتے ہیں تو قمری سال نو نہیں بلکہ تقریبا نو سال ۵۷ دن بنتے ہیں۔ (یعنی نو سال سے ۱۰۹۰۰۸ منٹ زائد اور ان زائد منٹوں کے تقریباً ۱۸۱۶ گھنٹے، اور ان گھنٹوں کے تقریبا ۵۷ دن بنتے ہیں)۔

روح المعانی (سورۃ الکہف آیت نمبر ۲۵ کی تفسیر) میں اسی قسم کا سوال امام رازی کے حوالے سے بھی اٹھایا گیا ہے اور اس کا جواب وہیں علامہ شہاب الدین خفاجی کے حوالے سے مذکور ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب والے کسر کا حساب نہیں کرتے۔ فتدبر وتشکر۔

عنین کو کتنے دن مہلت ملے گی

جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے اپنی بیوی تک رسائی نہیں پاتا ہو اس کو فقہاء عنین کہتے ہیں۔ اگر عنین کی بیوی تفریق کا مطالبہ کر بیٹھے تو قاضی شریعت اس کو ایک سال تک دوا علاج کی مہلت دے گا، اگر اس مدت میں بھی وہ صحبت پر قدرت نہ پاسکے تو بالاخر قاضی تفریق کر دے گا۔ اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے کہ یہاں کون سا سال مراد ہے، قمری یا شمسی؛ فتاوی ہندیہ میں لکھا ہے:

تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ فی ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كَذَا فی التَّبْيِينِ وهو الصَّحِيحُ كَذَا فی الْهِدَايَةِ رَوَى الْحَسَنُ عن أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ تُعْتَبَرُ سَنَةٌ شَمْسِيَّةٌ وَهِيَ تَزِيدُ على الْقَمَرِيَّةِ بِأَيَّامٍ وَذَهَبَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ فی شَرْحِ الْكَافِي إلَى رِوَايَةِ الْحَسَنِ أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ وَكَذَلِكَ صَاحِبُ التُّحْفَةِ وَهَذَا هو الْمُخْتَارُ عِنْدِي كَذَا فی غَايَةِ الْبَيَانِ وهو اخْتِيَارُ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ فی الْمَبْسُوطِ وَاخْتِيَارُ الْإِمَامِ قَاضِي خَانْ وَالْإِمَامِ ظَهِيرِ الدِّينِ فی التَّأْجِيلِ أَنَّهُ يُقَدَّرُ بِسَنَةٍ شَمْسِيَّةٍ أَخْذًا بِالِاحْتِيَاطِ كَذَا فی الْكِفَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَذَا فی الْخُلَاصَةِ عن شَمْسِ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيِّ

(الهندية: باب العنين)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق قمری سال کا اعتبار ہو گا، صاحب ہدایہ اور علامہ فخر الدین زیلعیؒ نے اسی کو صحیح کہا ہے، جبکہ امام حسنؒ بن زیاد کی روایت کے مطابق شمسی سال کا اعتبار ہو گا؛ شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، ظہیر الدین مرغینانی، علاء الدین سمرقندی (صاحب تحفۃ الفقہاء) قاضی خان اور ابو حنیفہ ثانی امیر کاتب اتقانیؒ (صاحب غایۃ البیان) رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے؛ کیونکہ احتیاط اسی میں ہے کہ تفریق میں کچھ دن اور انتظار کر لیا جائے، جو مشکل سے گیارہ دن ہوتے ہیں۔

خلاصہ کتاب

اوزان

درہم: تین(۳) گرام، اکسٹھ(۶۱) ملی گرام، آٹھ سو(۸۰۰) میکرو گرام۔

دینار: چار گرام، تین سو چوہتر ملی گرام(۴ گرام، ۳۷۴ ملی گرام)۔

استار: انیس گرام، چھ سو تراسی ملی گرام(۱۹ گرام، ۶۸۳ ملی گرام)۔

نواۃ: پندرہ گرام، تین سو نو ملی گرام(۱۵ گرام، ۳۰۹ ملی گرام)۔

نش: اکسٹھ گرام، دو سو چھتیس ملی گرام(۶۱ گرام، ۲۳۶ ملی گرام)۔

اُوقیہ: ایک سو بائیس گرام، چار سو بہتر ملی گرام(۱۲۲ گرام، ۴۷۲ ملی گرام)۔

رطل: تین سو ترانوے گرام، چھ سو ساٹھ ملی گرام۔(۳۹۳ گرام، ۶۶۰ ملی گرام)

من: سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام(۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)

قیراط: دو سو اٹھارہ ملی گرام، سات سو میکرو گرام(تقریبا: دو سو انیس ملی گرام)۔

دانق: پانچ سو دس ملی گرام، تین سو میکرو گرام(۵۱۰ ملی گرام، ۳۰۰ میکرو گرام)۔

ایک جو: تینتالیس ملی گرام، سات سو چالیس میکرو گرام(۴۳ ملی گرام، ۷۴۰ میکرو گرام)

قفلہ: دو گرام، سات سو ننانوے ملی گرام، تین سو ساٹھ میکرو گرام۔

قنطار: حقیقیت یہ ہے کہ قنطار سے مال کثیر مراد ہے، کوئی خاص مقدار مراد نہیں، اس لئے اس کا وزن معلوم کرنے کی حاجت نہیں۔

پیمانہ جات

مد: سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام(۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔

صاع: تین(۳) کلو، ایک سو انچاس(۱۴۹) گرام، دو سو اسی(۲۸۰) ملی گرام۔

نصف صاع: ایک کلو، پانچ سو چوہتر (۵۷۴) گرام، چھ سو چالیس (۶۴۰) ملی گرام۔

نوٹ: ائمہ ثلاثہ کا رطل صرف: دو سو تراسی گرام، چار سو پینتیس ملی گرام، دو سو میکرو گرام ہے؛ اس لیے ان کا صاع صرف: ا کلو، پانچ سو گیارہ گرام، چھ سو باون ملی گرام، چار سو میکرو گرام ہے۔

مختوم (صاع): تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام۔

قسط (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام۔

کیلجہ (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام۔

مکوک وضو (ایک مد): سات سو ستاسی گرام، تین سو بیس ملی گرام (۷۸۷ گرام، ۳۲۰ ملی گرام)۔ مکوک عراقی (ڈیڑھ صاع): چار کلو، سات سو تیئس گرام، نو سو بیس ملی گرام (۴ کلو، ۷۲۳ گرام، ۹۲۰ ملی گرام)۔

فرق (تین صاع): نو کلو، چار سو سینتالیس گرام، آٹھ سو چالیس ملی گرام۔

قفیز عراقی (۱۲ صاع): ۳۷ کلو، ۷۹۱ گرام، ۳۶۰ ملی گرام۔

قفیز ہاشمی: ایک صاع۔

عرق: (تیس صاع) چورانوے کلو، چار سو اٹھہتر گرام، چار سو ملی گرام۔

وسق (ساٹھ صاع): ایک سو اٹھاسی کلو، نو سو چھپن گرام، آٹھ سو ملی گرام۔

قربہ (سو رطل حنفیہ کے رطل سے): انتالیس کلو، تین سو چھیاسٹھ گرام (۳۹ کلو، ۳۶۶ گرام) کا ہوگا۔ قربہ (سو رطل ائمہ ثلاثہ کے رطل سے): اٹھائیس کلو، تین سو تینتالیس گرام، پانچ سو بیس ملی گرام (۲۸ کلو، ۳۴۳ گرام، ۵۲۰ ملی گرام)۔

قلہ (دو سو پچاس رطل حنفیہ کے رطل سے): اٹھانوے کلو، چار سو پندرہ گرام (۹۸ کلو، ۴۱۵ گرام)۔ قلہ (دو سو پچاس رطل ائمہ ثلاثہ کے رطل سے): قلہ: ستر کلو، آٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام (۷۰ کلو، ۸۵۸ گرام، ۸۰۰ ملی گرام) کا ہوتا ہے۔

دو قلہ (ائمہ ثلاثہ کے رطل سے): ایک سو اکتالیس کلو، سات سو سترہ گرام، چھ سو ملی گرام (۱۴۱ کلو، ۷۱۷ گرام، ۶۰۰ ملی گرام)۔

کر (۷۲۰ صاع): (۲۲۶۷ کلو، ۴۸۱ گرام، ۶۰۰ ملی گرام)۔

قدح مصری:۸۰۹ گرام، ۸۱۳ ملی گرام، ۸۶۷ میکرو گرام (تقریباً)۔
مدی (ساڑھے بائیس صاع): ستر کلو، آٹھ سو اٹھاون گرام، آٹھ سو ملی گرام۔
ویبہ: بارہ کلو، نو سو ستاون گرام، بیس ملی گرام، پانچ سو اکہتر میکرو گرام۔
اردب: ۷۷ کلو، ۷۴۲ گرام، ۱۲۳ ملی گرام، ۴۲۸ میکرو گرام۔
نوٹ: اردب، قدح مصری، مدی، ویبہ، یہ سب شافعی پیمانے ہیں؛ اس لئے ان کو صاع شافعی کے مطابق لکھا گیا ہے۔

مساحت

ذراع کرباس: (نصف گز): چار سو ستاون (۴۵۷) ملی میٹر، دو سو (۲۰۰) میکرو میٹر۔
ذراع مساحت انگریزی گز سے: ایک گز چھ انچ، فٹ سے ساڑھے تین فٹ، انچ سے بیالیس انچ ہے۔
باع: (دو گز انگریزی): ایک میٹر، آٹھ سو اٹھائیس ملی میٹر، آٹھ سو میکرو میٹر۔
باع: انچ سے بہتر (۷۲) انچ۔ باع: فٹ سے چھ فٹ۔
قدم (نصف ذراع): دو سو اٹھائیس ملی میٹر، چھ سو میکرو میٹر۔ قدم: انچ سے نو انچ۔
خطوہ: چھ سو پچاسی ملی میٹر، آٹھ سو میکرو میٹر۔ خطوہ: انچ سے ستائیس (۲۷) انچ۔
اصبع: انیس ملی میٹر، پچاس میکرو میٹر (۱۹ ملی میٹر، ۵۰ میکرو میٹر)۔
شعیرۃ: تین ملی میٹر، ایک سو پچھتر میکرو میٹر (۳ ملی میٹر، ۱۷۵ میکرو میٹر)۔
شعرۃ (برذون کا بال) تقریباً: پانچ سو انیتس (۵۲۹) میکرو میٹر۔
قبضہ (چار انگل): بارہ ملی میٹر، سات سو میکرو میٹر (۱۲ ملی میٹر، ۷۰۰ میکرو میٹر)
غلوۃ (چار سو ذراع کرباس): ایک سو بیاسی میٹر، آٹھ سو اسی ملی میٹر۔
میل شرعی حنفیہ کے نزدیک (چار ہزار ذراع): ۱ کلو میٹر، ۸۲۸، میٹر، ۸۰۰ ملی میٹر۔
میل شرعی شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک (چھ ہزار ذراع): دو کلو میٹر، سات سو تینتالیس میٹر، دو سو ملی میٹر۔
میل مالکیہ (ساڑھے تین ہزار ذراع، ایک ذراع چھتیس انگل کا): دو کلو میٹر، چار سو میٹر، تین سو ملی میٹر۔

فرسخ (تین میل شرعی): پانچ کلومیٹر، چار سو چھیاسی میٹر، چار سو ملی میٹر۔

مرحلہ: صحیح بات یہ ہے کہ مرحلہ کسی متعین مسافت کا نام نہیں، ایک دن میں متوسط رفتار سے جتنا چل سکتے ہوں، اسی کو مرحلہ کہتے ہیں۔

جریب: ساٹھ ذراع چوڑا، ساٹھ ذراع لمبا (یعنی تین ہزار مربع ذراع)۔ جریب: چوسٹھ میٹر، آٹھ ملی میٹر چوڑا، اور اتنا ہی لمبا۔ (یعنی تقریباً: چار ہزار ستانوے مربع میٹر)۔ فٹ سے: دو سو دس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا۔ انچ سے: دو ہزار، پانچ سو، بیس انچ لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔

متفرقات

دہ در دہ حوض: چار (۴) میٹر، پانچ سو بہتر (۵۷۲) ملی میٹر لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔

سترہ کی لمبائی: ایک ذراع کرباس؛ یعنی: ۴۵۷ ملی میٹر، ۲۰۰ میکرو میٹر۔

مسجد کبیر (چالیس ذراع): اٹھارہ (۱۸) میٹر، دو سو اٹھاسی (۲۸۸) ملی میٹر لمبی، اور فٹ سے ساٹھ فٹ؛ کیونکہ ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔

مسافت سفر: (تین دن کی پیدل مسافت): اکثر علمائے ہند کا فتویٰ یہ ہے کہ مسافت سفر ۴۸ میل انگریزی ہے، اور میل انگریزی ا کلومیٹر، ۶۰۹ میٹر، ۳۴۴ ملی میٹر کا ہوتا ہے، پس ۴۸ میل انگریزی: ۷۷ کلومیٹر، ۲۴۸ میٹر، ۵۱۲ میلی میٹر ہوگا۔

نصاب زکوۃ (۲۰۰ درہم): چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام، تین سو ساٹھ (۳۶۰) ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت۔

سونے کا نصاب (۲۰ دینار): ستاسی (۸۷) گرام، چار سو اسی (۴۸۰) ملی گرام سونا۔

صدقہ فطر: (نصف صاع): ایک کلو، پانچ سو چوہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام (اکلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام) گندم یا اس کی قیمت۔

ایک نماز کا فدیہ: صدقہ فطر کی مقدار۔

ایک دن کی (۶) نمازوں کا فدیہ: نو کلو، ۴۴۷ گرام، ۸۴۰ ملی گرام گیہوں۔

ایک ہفتہ کی (۴۲) نمازوں کا فدیہ: ۶۶ کلو، ۱۳۴ گرام، ۸۸۰ ملی گرام گندم

ایک ماہ کی (۱۸۰) نمازں کا فدیہ: ۲۸۳ کلو، ۴۳۵ گرام، ۲۰۰ ملی گرام گندم

ایک سال (۳۶۵دن) کی (۲۱۹۰) نمازوں کا فدیہ: ۳۴۴۸کلو، ۴۶۱ گرام، ۶۰۰ ملی گرام۔

ایک روزہ کا فدیہ: صدقہ فطر کی مقدار۔

تیس (۳۰) روزوں کا فدیہ: ۴۷کلو، ۲۳۹ گرام، ۲۰۰ ملی گرام۔

کم از کم مہر شرعی (دس درہم): تیس (۳۰) گرام، چھ سو اٹھارہ (۶۱۸) ملی گرام چاندی۔

مہر فاطمی (۵۰۰ درہم): ۱کلو، پانچ سو تیس (۵۳۰) گرام، نو سو (۹۰۰) ملی گرام چاندی۔

کام ابھی باقی ہے

بندہ نے لیٹر کا حساب چھوڑ دیا ہے، یہ کام ابھی کرنے والوں کے لیے باقی ہے، اہل عرب کی جو تحقیقات لیٹر سے متعلق سامنے آئی ہیں اس ناکارہ کو اس پر اطمینان نہیں۔ جسے از سر نو حساب کا ارادہ کرنے کا ارادہ ہو اسے چاہیے کہ صاع کا جو وزن بندہ نے لکھا ہے اس مقدار میں متوسط قسم کا گندم لے کر کسی ڈبے میں بھر دے، جس برتن میں وہ سما جائے اسے ایک صاع کا پیمانہ قرار دے کر اس میں پانی بھر دے، پھر اس پانی کو لیٹر کے رائج الوقت پیمانوں سے ناپ لے، وہی ایک صاع کا لیٹر ہو گا۔ باقی تمام اوزان اور پیمانے اسی صاع ہی کے لیٹروں سے سمجھ میں آجائیں گے۔ مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی صاع کو لیٹر سے بتانے کی کوشش کی ہے، وہ قابل اطمینان ہے، مگر ان کے نزدیک صاع ہمارے علمائے ہند کے صاع سے بہت متفاوت ہے؛ اس لیے ان کے حساب سے فائدہ اٹھانا دشوار ہے۔ **فلعل الله يحدث بعد ذلك امرا۔**

حرف آخریں

یہ جو کنج کاؤ کی گئی ہے، اور حسابات میں تدقیق سے کام لیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے ذرا کم وبیش کی اجازت نہیں، مگر ہاں! حساب میں تساہل برتنے سے اوزان کی اصل حقیقت ہی مستور ہو جاتی ہے اور بڑے حسابات میں کافی فرق ہو جاتا ہے؛ اس لیے ملی میٹر اور میکرو میٹر تک کا حساب لکھا گیا ہے۔ الحمد للہ رسالہ مفتاح الاوزان مکمل ہوا۔

وما اردت الا الاصلاح ما استطعت، وما توفیقی الا باللہ

(ناکارہ خلائق)

عبد الرحمن قاسمی عظیم آبادی

خادم: المرکز العلمی للبحوث والدراسات الاسلامیۃ

مؤلف کی دیگر کتابیں

خواتین کے مسائل اوران کا حل

یہ کتاب مولانا محمد بن پیر علی برکلیؒ کی متن اور علامہ محمد بن عابدین شامیؒ کی شرح کی تسہیل ہے، اور خواتین کے مخصوص مسائل پر ایک جامع ترین کتاب ہے (مطبوع)

جدید فقہی مسائل کا حل

جدید مسائل پر کئی ایک کتابیں آچکی ہیں اور آتی رہیں گی، دراصل یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں کبھی بحث تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہونے والا؛ کیونکہ روز بروز اور نوع بنوع پیدا ہونے والے مسائل کی کوئی حد نہیں، اسے بھی حل کرنا ضروری ہے اور مبطلین اور ملحدین نے اجتہاد مقاصدی کے آڑ میں جو اپنا الو سادھا کیا، اور نادانوں نے سادہ لوحی سے اسے قبول کرنا شروع کر دیا ہے، اس کا مداوا بھی ضروری ہے۔ یہ کتاب دونوں پہلوؤں سے جامع ہے، اور ایسے اصول وکلیات پر مشتمل ہے، جس سے نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک ''صراط مستقیم'' ہاتھ آجاتا ہے (مسودہ کی شکل میں ہے)۔

الرضی شرح الترمذی

علامہ ابن العربی مالکی کی شرح ''عارضۃ الاحوذی'' اور علامہ عبد الرحمن مبارکپوری کی شرح ''تحفۃ الاحوذی'' کے سوا کوئی مکمل شرح جامع ترمذی کی اس وقت بازار میں نہیں ہے۔ ''عارضۃ'' سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قوی العارضۃ ہو اور ''تحفۃ الاحوذی سے استفادہ کرنے کے لیے ''تریاق'' ہاتھ میں ہونا ضروری ہے؛ اس لیے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے ترمذی پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا تھا، مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا، وہ شرح موطا میں لگ گئے، ترمذی یوں ہی باقی رہ گئی، بازار میں اس کی کوئی باضابطہ کوئی شرح نہیں، جو کچھ ہے، درسی تقریریں ہیں، جو طلبہ اور بہت سے اساتذہ کے لیے بھی ناکافی ہیں؛ اس لیے اس ناکارہ نے سیدی ومولائی وسندی حضرت مولانا و قاری عبد الستار صاحب وڈالی گجرات، خلیفہ و جانشین حضرت مولانا زین

العابدین اعظمیؒ کے حکم سے اورانہیں کی نگرانی میں قلم اٹھالیا ہے۔ کام شب وروز جاری ہے۔ اللہ سے اس کی تکمیل کی دعافرمائیں۔ یہ شرح درج ذیل خطوط پر لکھی جارہی ہے:

۱ عبارت بااعراب

۲ مکمل ترجمہ

۳ تحقیق لغات

۴ اختلاف نسخ کی وضاحت

۵ بعض نسخوں میں چھوٹی ہوئی احادیث کا احاطہ

۶ اختلاف ائمہ کی پوری وضاحت ان کی اصل کتابوں سے

۷ دلائل پر بحث اصول فقہ کی روشنی میں، احترام سلف کی رعایت کے ساتھ

۸ رجال پر کلام، حفاظ حدیث کی خصوصی نشاندہی، متکلم فیہ رواۃ پر خصوصی بحث

۹ سندوں کی مکمل تحقیق، نیز ضبط اسامی پر خصوصی توجہ

۱۰ علل ترمذی اور قال ابوعیسیٰ کی بھرپور وضاحت

۱۱ امام ترمذی نے احادیث پر جو احکام لگائے ہیں، ان کی توجیہ و تطبیق

۱۲ شروع میں ایک جامع اور بصیرت افروز مقدمہ

(مرکز علمی کے تحت کام جاری ہے، آپ سے نیک تمناؤں اور مقبول دعاؤں کی گذارش ہے)

اجتہاد، تقلید اور تلفیق

(مؤلف کا ایک خصوصی مقالہ)

اس موضوع پر اتنی تفصیل سے اردو میں کوئی کتاب نہیں، اس کا ایک حصہ قسط وار "بحث نظر" کے مجلہ میں شائع ہوکر علماء سے خراج تحسین بھی پاچکا ہے۔ حقیقت اجتہاد، شرائط اجتہاد، طریق اجتہاد، تحقیق مناط، تخریج مناط، تنقیح مناط، کار اجتہاد کی درجہ بندی اور اس کے لیے مطلوبہ شرائط، طبقات مجتہدین ائمہ اربعہ کی کتابوں سے۔

حقیقت تقلید، اس کے جواز وعدم جواز کا صحیح محمل، دلائل کا دقیق موازنہ، مقلدین کے طبقات، تقلید شخصی، انتقال مذہبی اور اس کی حقیقت، اس کا جواز یا عدم جواز، حقیقت تلفیق، تلفیق اور عدول مذہبی میں صحیح ربط، قائلین اور مانعین کے درمیان شاندار محاکمہ، امیر بادشاہ کے سوالوں کا حقیقت پسندانہ جواب۔ یہ مقالہ ان سب موضوعات کا احاطہ کرتا ہے اور تجدد پسندوں نے جو اس موضوع کے آڑ میں امت میں بے راہ روی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا مداوا کرتا ہے۔ (غیر مطبوع)۔

مقتدی کی قراءت کتاب وسنت کی روشنی میں

حضرت گنگوہیؒ کا جو رسالہ ہے ''ہدایۃ المعتدی'' یہ اسی کی تخریج وتسہیل ہے۔ زین المحدثین حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ نے اسے حرفا حرفا سن کر خوب سراہا ہے اور انہیں کے پیش لفظ کے ساتھ مولانا عبد اللہ معروفی استاد دارالعلوم دیوبند کے تعاون سے فیصل بکڈپو دیوبند سے یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

مسئلہ تراویح کتاب سنت کی روشنی میں

سیدی وسندی واستاذی حضرت زین العابدین اعظمیؒ نے حضرت گنگوہی کے رسائل کی تحقیق وتخریج کا حکم دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اس سے تمہیں اکابر کا فیض پہونچے گا، جبھی اس ناکارہ نے حضرت گنگوہی کے تمام رسائل کی تسہیل وتخریج کا پختہ عزم کر لیا تھا، یہ رسال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور حضرت گنگوہیؒ کے دو رسائل کا مجموعہ ہے۔ کتاب تیار ہے، اس ناکارہ نے بہت سے لوگوں سے اس کی طبع کرنے کی درخواست کی، کسی نے بھی حامی نہیں بھری، المرکز العلمی نے بندے کی تمام کتابوں کی طباعت اور نشر اشاعت کا بیڑا اٹھایا، اللہ اس ادارے کے بانیوں اور کارکنان نیز معاونین کو اپنے امن امان میں رکھے اور ہر طرح کی خیر برکت سے نوازے۔ آمین!

مفتاح الاوزان

یہ وہی رسالہ ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے متعلق مقدمہ میں پڑھ چکے ہوں گے۔

مفتاح النحو (دو حصے)

آج کل علمی استعداد بہت کمزور ہو رہی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ طلبہ عزیز "علوم آلیہ" نحو، صرف، منطق، اصول فقہ اور اصول حدیث وغیرہ کی اصطلاحات سے اچھی طرح واقفیت پیدا نہیں کرتے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر عمدۃ المتاخرین حضرت مولانا محمد مصطفی صاحب مفتاحیؒ نے کہا تھا کہ یہ ناکارہ اردو میں نحو کی ایک جامع کتاب ترتیب دے، جو نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کے لیے بھی ضرورت کی چیز ہو۔ مفتاح النحو کے یہ دو حصے اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے لکھے گئے ہیں۔ دو حصے طباعت کے لیے تیار ہیں، جس نے بھی مسودہ دیکھا ہے پسند کیا ہے۔ خدا کرے مزید دو حصوں کی تکمیل بھی جلد از جلد ہو جائے۔ آمین! یہ کتاب مختصر مدتی عالم کورس کے مدارس کے لیے بھی بہت مفید ہے، اس میں نہایت لطیف انداز میں مختصر تمرینات بھی دی گئی ہیں۔ ان دو حصوں کو پڑھانے کے بعد فوراً ہدایۃ النحو شروع کرائی جا سکتی ہے۔

مفتاح الصرف (دو حصے)

اس کی تالیف مفتاح النحو کے طرز پر ہو رہی ہے، یہ دونوں حصے پڑھ کر طلبہ کے لیے افعال کی گردان، صیغوں کی پہچان اور ابواب کی معرفت مشکل نہیں رہے گی۔ اور علم الصیغہ ان کے لیے آسان ہو جائے گی (زیر تکمیل)۔

رمضان سے عید تک

رمضان، اعتکاف، زکوۃ اور عید الفطر کے مسائل پر بالکل سادہ زبان میں یہ کتابچہ لکھا گیا ہے، عوام نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، دوبار طبع ہو چکا ہے، تیسری طباعت کا منتظر ہے۔ ارادہ ہے کہ اس میں کچھ اور ضروری مسائل کا اضافہ کر دیا جائے۔

مسائل قربانی

دارالعلوم رحمانیہ میں تخصص فی الفقہ کے طلبہ کی تمرینِ فتاوی اس ناکارہ سے متعلق رہی ہے، گذشتہ سال قربانی کے بہت اہم مسائل زیر بحث آئے تھے، بندہ نے غنیمت سمجھ ان بحثوں کو اسی وقت قلمبند کر لیا تھا، تھوڑی محنت سے کتاب طباعت کے لائق ہو سکتی ہے۔

روٹی کپڑا اور مکان کا شرعی نظام اور خدائی انتظام

نان ونفقہ کے مسائل کو محض زوجہ محترمہ تک محدود سجھ لیا گیا ہے، حالاں کہ شریعت نے نہ صرف انسان بلکہ جانوروں تک کے نان نفقہ کے ایک ایک جزئیہ کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اس رسالہ میں اس کی پوری تفصیل ہو گی، ہمارا نان ونفقہ کس پر ہے اور ہم پر کس کا نان ونفقہ ہے، نیز یہ بھی بیان ہو گا کہ رزق کی وسعت کے کیا اسباب ہیں اور تنگی کے کیا اسباب ہیں۔ گویا یہ کتاب امت کی معاشی زبوں حالی کا مکمل علاج ہے (زیر تکمیل)۔

علمی تراشے

(حدیث، فقہ، اصول اور تصوف کے شہہ پارے)

تحقیق کی مثال ایسی ہے جیسے چونٹیوں کے منھ سے شکر لے کر مجمع عام کے لیے چائے بنانا، اس سے ظاہر ہے کہ تحقیق میں کس قدر ورق گردانی کی ضرورت ہوتی ہے، بندہ کو ہمیشہ سے تحقیق سے واسطہ رہا ہے، کبھی اساتذہ کرام کے لیے، کبھی طلبہ عزیز کے لیے۔ مختلف کتابوں کی ورق گردانی کے درمیان جو خاص باتیں اپنے ابواب اور مظان سے ہٹ کر آتی ہیں، یا اپنے ہی ابواب میں جو باتیں اصولی یا نادر قسم کی ہوتی ہیں ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ بندہ ان کو لکھ لیا کرتا ہے۔ اس طرح یہ کشکول تیار ہو گیا ہے۔ اگر یہ کتاب طبع ہو جائے تو بڑے کام کی چیز اہل علم کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ (غیر مطبوع)۔

باطل فرقوں کا تعارف

علامہ محمد بن عبد االکریم شہرستانی کی ذات اوران کتاب "الملل والنحل" اہل علم کے لیے محتاج تعارف نہیں۔ "الملل والنحل" سے شاید ہی کوئی ذی علم مستغنی ہو گا۔ باطل فرقوں کا مختصر مگر جامع اور مستند تعارف اس کتاب کی بڑی خصوصیت ہے۔ اس کتاب کی جامعیت، افادیت اور مقبولیت کے پیش نظر "کچھ اہل علم حضرات" نے خواہش کی اردو زبان میں اس کی تلخیص و تسہیل کر دی جائے تا کہ امت کا ہر طبقہ اس سے مستفید ہو سکے۔

"المرکز العلمی" کے زیر نگرانی یہ کام زور و شور سے جاری ہے۔ بہت جلد یہ کتاب منظر عام پر آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز۔